امامیہ مشن کا اٹھائیسواں تبلیغی رسالہ

معرکۂ کربلا

مطبوعہ سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

شیعوں کا واحد علمی ادبی تاریخی تمدنی و مذہبی ماہانہ رسالہ

مذہب کی آغوش میں لانیوالا

"حقائق" لکھنؤ

اگر آپ ضرورت زمانہ کے مطابق اور اپنی قوم کے شایان شان

صوری ومعنوی دونوں حیثیتوں سے بلند کسی رسالہ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو "حقائق" کی خریداری قبول فرمائیے جسمیں ملک کے مایۂ ناز اہل قلم حضرات کے گرانقدر مضامین کیساتھ ساتھ حضرت سید العلماء دام ظلہ (سرپرست امامیہ مشن) کے قلم معجز رقم سے تفسیر کلام پاک کا گراں بہا سلسلہ بھی برابر شایع ہو رہا ہے جو رفتہ رفتہ ہر خریدار حقایق کے پاس کتابی صورت میں جمع ہو جاویگا۔

اگر آج آپنے توسیع اشاعت کے ذریعہ اس دینی رسالہ کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا تو کل یہ آپکے اور آپکے مذہب کیلیے ایک مستحکم قلعہ کا کام دیگا۔ چندہ سالانہ چار روپیہ اور ششماہی دو روپیہ آٹھ آنے ہے۔ نمونہ کیلئے چھ آنے کے ٹکٹ ارسال فرمائیے

نوٹ

جو مومنین چار روپیہ یکمشت نہیں ادا کر سکتے وہ بدفعات مرحمت فرما سکتے ہیں۔

الداعی الی الخیر

منیجر رسالہ "حقائق" حسین آباد لکھنؤ

معرکۂ کربلا

مصنفہ

حضرت فخر المحققین العلماء سید العلماء مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد اعظم دام ظلہ

مطبوعہ سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنو

امامیہ مشن لکھنؤ کی اٹھائیسویں دینی خدمت

حضرات! امامیہ مشن کی بنیاد حسینؑ مظلوم کا نام لیتے ہوئے قائم ہوئی تھی جس کو تین سال کی مدت ہوگئی۔

اس تین سال میں اس مشن نے جو خدمات انجام دیے اُن کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے مشن کی سالگرہ کی صورت یہی قرار دی ہے کہ ہر محرم میں حضرت مظلوم کربلا امام حسینؑ کے متعلق اردو، انگریزی، ہندی میں تین رسالے شائع کریں۔ چنانچہ "قاتلان حسینؑ کے مذہب" کے بعد اس سلسلہ میں پہلا رسالہ اردو کا "حسین اور اسلام" شائع ہوا۔ دوسرے سال "مجاہدہ کربلا" اور اب کے اُس کا دوسرا حصہ "معرکہ کربلا" کے نام سے شائع کرتے ہیں۔

خدا ہماری اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے اور عامہ اہل مذاہب سے امید ہے کہ وہ اس رسالہ کو کافی توجہ سے مطالعہ فرمائیں۔ والسلام

خادم ملت

سید ابن حسین سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

محرم ۱۳۵۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید النبیین وآلہ الطاہرین ۔

گذشتہ سال "مجاہدہ کربلا" میں مظلوم کربلا کے ورود کربلا تک کے واقعات حوالہ قلم کئے گئے۔ اسکے بعد کا حصہ آیندہ کے سپرد ہوا، اور اب اُس کا وقت آگیا ہے۔ یہ حصہ "معرکہ کربلا" کے نام سے پیش کیا جاتا ہے۔ قبولیت خدا کے فضل وکرم پر موقوف ہے۔

پہلا باب

مدینہ کا شہنشاہ کربلا کے جنگل میں

صحرا نورد غربت حسینؑ کی آخری منزل کربلا میں قرار پاگئی۔ ناحق شناس فوج دشمن نے اپنے ملک میں آنے والے پردیسی مسافر کی خاطر داری یہ کی کہ

خیمے بھی نہر کے قریب کسی مقام پر قائم نہ کرنے دیئے، بلکہ ایسی جگہ چٹیل میدان میں اُترنے پر مجبور کیا جہاں پانی بھی قریب نہو۔ (۱)

"کربلا" کا قدیم جغرافیہ

بہت سی ایسی چیزیں جن میں تاریخی اہمیت کسی بعد والے واقعہ سے پیدا ہوگئی ہے، اپنی سابقہ تاریخ کے اعتبار سے تاریکی میں ہوا کرتی ہیں۔

کربلا کی بھی حیثیت یہی ہے۔ ایک چٹیل میدان، ریتلی زمین، بے آب گیاہ جنگل، جہاں کسی قسم کی دلچسپی و دلبستگی کا وجود نہیں، اُسکے متعلق کسی مورخ، واقعہ نگار جغرافیہ نویس کو کیا پڑی تھی کہ وہ اُسکا نام لیتا یا ذکر کرتا، اور پھر جبکہ عرب میں یہ علوم بحیثیت ایک فن و علم کے پائے ہی نہیں جاتے تھے بلکہ اُنکے اشعار اور ذکر حروب و واقعات کی نظمیں ہی تھیں جن سے اُن کے تاریخی و جغرافیائی معلومات کی تدوین کیجاتی ہے، تو ایک ایسا مقام جو پہلے کوئی تاریخی حیثیت نہ رکھتا ہو، اُسکے متعلق کسی قسم کے معلومات کا حاصل کرنا اُس زمانہ کی تاریخ سے ناممکن و محال کا درجہ رکھتا ہے۔

کسی تاریخ نویس اور واقعہ نگار کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ایک وقت یہ زمین ایک عظیم مجاہدۂ حق و باطل کا محل بن کر قیامت تک کیلئے اہل دل کے دلوں کا مرکز اور قبلۂ توجہ بنجائے گی، اور کعبہ کی طرح یہ زمین ظاہری جستجو کی

(۱) تفصیل کیلئے دیکھو "مجاہدۂ کربلا" صہ ۸۶-۸۷۔ اسوۂ حسینی صہ ۱۴۰

نہیں تو نفوس و ارواح کی محل طواف و سجدہ گاہ بنے گی۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ میری ناقص جستجو نے جہاں تک رسائی حاصل کی قدیم اشعارِ عرب اور تاریخی روایات میں مجھ کو کہیں کربلا کا پتہ نہیں چلا۔

بے شک اُن احادیث سے جو شہادت امام حسینؑ کے متعلق وارد ہوئی ہیں، اور اُن واقعات سے جو ۶۱ھ کی پہلی تاریخ سے ہمارے سامنے گذرے ہیں۔ ایک حد تک کربلا کے جغرافیہ کا اندازہ ہوتا ہے، اور اُس کو ان واقعات کی نوعیت سمجھنے میں، بہت بڑا دخل حاصل ہے جسے ہم اپنی کوتاہ نظر کے مطابق درج کرتے ہیں۔

"کربلا" کا نام، واقعات شہادت سے قبل کے احادیث میں موجود ہے۔ یہ درحقیقت مجموعہ تھا چند زمینوں اور قریوں کا جو بالکل قریب قریب واقع تھے۔ میرے خیال میں زمینداریوں اور جاگیروں کے سلسلہ میں ہر ملک میں ایسا موجود ہی اور خصوصیت سے عرب میں پایا جاتا تھا کہ چھوٹے چھوٹے قطعات ارض کے مستقل نام مقرر ہوتے تھے، جنھیں اگر ہر ایک مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ متعدد مقامات ہیں، اور اگر اُن کے باہمی قرب پر نظر ڈالی جائے تو وہ سب ایک ہی ہیں۔ اور ایک جگہ کا واقعہ دوسرے طرف منسوب ہو سکتا ہے۔

اشعارِ عرب کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوگا کہ کسی مکان، کسی واقعہ کے

محلِ وقوع کا پتہ دینے میں وہ کس طرح بہت سے نام لے دیتے ہیں مشہور معلقہ امرء القیس کا مطلع ہی ملاحظہ ہو۔

قفانبک من ذکری حبیب ومنزل — بسقط اللوی بین الدخول فحومل

فتوضح فالمقراۃ لم یعف رسمہا — لما نسجتہا من جنوب وشمأل

"دخول" "حومل" "توضح" "مقراۃ" یہ سب مستقل مقامات ہیں جو باہمی قرب کی وجہ سے صرف ایک گھر کے محل وقوع کی شناخت کیلئے ذکر ہوئے ہیں۔

اسی صورت سے بالکل واقعہ کربلا کے محل وقوع کے سلسلہ میں جو بہت سے نام گوش زد ہوتے ہیں "کربلا" "نینوا" "غاضریہ" "شطِ فرات" انھیں ایک ہی جگہ کے متعدد اسماء خیال کرلینا بالکل صحیح نہیں ہے۔

حقیقۃً یہ متعدد جگہیں تھیں جو باہمی قرب کی وجہ سے ایک بھی سمجھی جاسکتی تھیں اور اسلئے محل وقوع واقعہ کے اعتبار سے ہر ایک کا نام تعارف کے موقع پر ذکر کیا جانا صحیح قرار پاتا تھا۔

"نینوا" جس کا صحیح تلفظ نون کے کسر کے ساتھ ہے، یہ ایک قریہ تھا۔ جسے موجودہ زمانہ کے "سدۂ ہندیہ" کے قریب سمجھا جاتا ہے۔ اسکے پہلو میں "غاضریہ" تھا۔ یہ قبیلۂ بنی اسد کی ایک شاخ "بنی غاضرہ" کی طرف نسبت رکھتا ہے، اور انھی کا محل سکونت تھا۔ یہ غالباً وہ زمین ہے جو اب "حسینیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی جگہ ایک قریہ "شفیہ" تھا، اور یہیں پر ایک

قطعۂ زمین" کوبلہ" تشدید لام کے ساتھ پایا جاتا تھا، وہ اب موجودہ شہر کربلا کے مشرقی جانب جنوب کی طرف واقع ہے، اور اسکے متصل "کربلا" اور "عقرِ بابل" نام قریہ تھا، جو غاضریات کے شمال غربی میں واقع تھا۔ وہاں اب کھنڈر ہیں، جہاں بہت اہم آثار قدیمہ کا انکشاف ہونے کی امید ہے، اور یہ بالکل دریائے فرات کے کنارہ پر تھا، اور اپنے قدرتی محل وقوع یعنی ٹیلوں سے گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسکے مقابل غاضریات کے دوسری جانب "نواویس" کا مقام تھا جو اسلامی فتوحات کے قبل ایک عمومی قبرستان کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس سب کے وسط میں زمین "حیر" تھی جو اب حائر کے نام سے معروف ہے، اور جہاں حضرت حسین بن علیؑ کی قبر مبارک ہے، "حیر" ایک وسیع میدان کی حیثیت رکھتا تھا جو تین طرف سے متصل اور پہلو بہ پہلو ٹیلوں سے گھرا ہوا تھا، ان ٹیلوں کا سلسلہ شمال مشرقی کی طرف سے جدھر اب حرم حسینی کا "باب السدر" اور "منارۂ عبد" ہے شروع ہو کر غرب کی جانب "باب زینبیہ" کے حدود تک پہونچتا تھا، اور وہاں سے پیچیدہ ہو کر جنوب کی طرف "در قبلہ" کے مقام تک آکر ختم ہوتا تھا۔ ان متصل ٹیلوں کے اجتماع سے ایک نصف دائرہ کی شکل بنتی تھی، جو "ن" کی صورت سمجھی جاسکتی ہے۔ اس دائرہ میں داخل ہونے کا

راستہ مشرقی جہت میں اُس جانب سے تھا کہ جدھر روضۂ حضرت ابو الفضل العباس کی طرف جانے کا راستہ ہے تحقیقاتی انکشاف سے اب تک یہ بات پائی جاتی ہے کہ اُن مکانات کے آثار ہیں جو قبر امام حسینؑ کے گرد ہیں، شمالی اور مغربی جانب زمین کے قدیمی بلندی و ارتفاع کے آثار موجود ہیں، اور مشرقی جانب سوائے نرم مٹی کے جو بستی کیطرف مائل ہے، کچھ نظر نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کی قدیمی صورت ایسی ہی تھی کہ شرق کی جانب سے ہموار اور شمال و غرب کیجانب سے ہلالی شکل کے اوپر بلند تھی۔

یہی ہلالی دائرہ وہ ہے جس میں فرزند رسولؐ کو اس موقع پر گھیر لیا گیا تھا، جبکہ آپ کی شہادت ہوئی ہے۔ تفصیل کیلئے آئندہ کا انتظار کیجئے۔

”نینوا“ اور ”غاضریہ“ کی مغائرت کا پتہ تاریخ کے ان الفاظ سے چلتا ہے کہ ”قالوا دعنا ننزل فی ھذہ القریۃ یعنون نینوا او ھذہ القریۃ یعنون الغاضریۃ او ھذہ الاخری یعنون شفیۃ“۔

”اصحاب امام حسینؑ نے کہا کہ ہم کو اس قریہ میں قیام کرنے دو، جس کا نام ”نینوا“ ہے، یا اسمیں جس کا نام ”غاضریہ“ ہے۔ یا اسمیں

جس کا نام "شفیہ" ہے"۔
اسکے بعد زہیر بن قین کی تقریر لکھی ہے کہ انھوں نے کہا۔ سربنا الیٰ ھذہ القریۃ حتیٰ ننزلھا فانھا حصینۃ وھی علیٰ شاطئ الفرات۔
"چلئے اس قریہ میں چلکر قیام کیجئے۔ یہ قلعہ کی صورت سے محفوظ ہے، اور فرات کے کنارے ہے۔ امام حسینؑ نے دریافت کیا۔ وایۃ قریۃ ھی "کونسا قریہ ہے یہ؟" کہا ھی العقر "اسکا نام "عقر" ہے حضرت نے فرمایا۔ اللھم انی اعوذ بک من العقر "خداوندا میں تجھ سے "عقر" یعنی بے اولاد ہونے سے پناہ مانگتا ہوں۔ (طبری مطبوعہ مصر ج ۶ ص ۲۳۲)
اس سے "عقر بابل" کے قریہ کا پتہ چلتا ہے جسکا نام "کربلا" تھا۔ اس "کربلا" اور اس کے مقابل "نواویس" اور ان دونوں سے محل شہادت امام حسینؑ کی مغائرت کا پتہ اس تقریر کے الفاظ سے چلتا ہے جو امام نے مکہ معظمہ سے روانگی کے موقع پر فرمائی تھی، جس میں فرمایا ہے۔ کانی انظرھا وصالی تقطعھا عسلان الفلوات بین النواویس وکربلاء "میرے پیش نظر ہے وہ منظر جب میرے جوڑ بند وحشی درندے قطع کر رہے ہوں گے،

مقام "نواویس" اور کربلا کے درمیان میں"۔ (۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ محلّ شہادت "کربلا" اور "نواویس" دونوں کے درمیان کا مقام ہے، اور عین "کربلا" نہیں ہے۔

بے شک اس مقام "کربلا" کی اہمیت کی بناء پر جسکے متعلق ہم نے بیان کیا کہ وہ محلّ وقوع کی حیثیت سے ایک محفوظ قلعہ کی شکل تھی، اور وہاں آثار قدیمہ بھی کافی مقدار میں پائے جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ پورا یہ علاقہ "کربلا" کہا جانے لگا ہو جیسا کہ اکثر ضلعوں اور صوبوں کے اسماء میں ایسا ہوتا ہے۔ خود ہمارے صوبہ میں اصلاً "اودھ" ایک خاص مقام تھا جو اب "اجودھیا" کے نام سے موسوم ہے، اور اُسکے لحاظ سے پورا صوبہ "اودھ" ہو گیا۔

فرات کی اصلی نہر جو ہماری زبان کے اعتبار سے "دریائے فرات" کہنا چاہیئے، اُسے براہ راست کوئی تعلق اس کربلا کی زمین سے نہیں تھا۔ اُسکا خط سیر حلہ، مسیّب وغیرہ مقامات سے ہوتے ہوئے کوفہ کے بیرونی حصوں کی جانب جاتا تھا، اور اُن قریوں کو سیراب کرتا تھا۔ اور کربلا میں اور اسمیں بڑا فاصلہ ہے۔ لیکن اس نہر یا "دریائے فرات" سے ایک چھوٹی شاخ مقام "رضوانیہ" کے پاس سے نکل کر جدا ہوتی تھی جو کربلا کے شمالی مشرقی جانب کے ریگستان اور نشیبوں سے ہوتی ہوئی اُس مقام کے قریب سے گذرتی تھی جہاں

(۱) تقریر کے مکمل مطالعہ کیلئے ملاحظہ ہو "اسوۂ حسینی" ص۱۸۵

حضرت ابوالفضل العباس کی قبر ہے، اور اسکے بعد موجودہ مقام "ہندیہ" کے اطراف سے ہوتی ہوئی اُس مقام کے مغربی شمالی جانب جس کا نام قریہ "ذی الکفل" ہے اصل دریائے فرات سے ملحق ہوجاتی تھی۔ یہ چھوٹی نہر فرات کا ایک شعبہ تھا اور نہر "علقمی" کے نام سے موسوم تھا، اور اُسے اپنے اصل کے اعتبار سے "فرات" کہا جاتا تھا۔

طف کے معنی ہیں "نہر کا کنارہ"۔ خصوصیت سے دریائے فرات کے اُس کنارہ کو جو جنوبی پہلو میں "بصرہ" سے "ہیت" تک تھا "طف" کہا جاتا تھا۔ اور اُسی مناسبت سے "فرات صغیر" یعنی "نہر علقمی" کے اُس کنارہ کو جس میں کربلا واقع تھا "طف" کہا جانے لگا۔ اور اس وجہ سے کربلا کے واقعہ کو "وقعۃ الطف" کہا جاتا ہے، اور کربلا کیلئے شط فرات کی لفظ بھی اسی اعتبار سے قرار پائی ہے۔

دوسرا باب
کوفہ میں اطلاع

حسینؑ کربلا میں ٹھہر گئے، ابن زیاد کے فرستادہ "حر بن یزید" نے ابن زیاد

کو اسکی اطلاع دی۔

مشہور فاتح عراق سعد بن ابی وقاص کا بیٹا عمر بن سعد اسوقت ملک عجم میں برپا شدہ بغاوت کی بنا پر جس میں "دستبی" کے مقام پر قبیلۂ دیلم نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کیلئے چار ہزار فوج کا سردار بنایا جا چکا تھا، اور ابن زیاد اُس کیلئے حکومت "رے" کا پروانہ بھی تحریر کر چکا تھا۔ وہ اس فوج کو لئے کوفہ کے باہر مقام "حمام اعین" میں خیمہ زن تھا، اور عنقریب روانہ ہونیوالا تھا اب امام حسینؑ کا معاملہ جو پیش آیا تو ابن زیاد نے عمر سعد کو مامور کیا کہ پہلے اس مہم کو سر کر لو۔ پھر اپنے مقصد کیلئے روانہ ہونا۔

ابن سعد کو جرم کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مجھ کو کس سے لڑنے کیلئے بھیجا جا رہا ہے۔ اُس نے انکار کیا اور کہا کہ مجھے معاف کیجئے تو بہت بہتر ہے ابن زیاد نے کہا، "اچھا مگر ہمارا پروانہ حکومت رے کا واپس کر دو"

عمر سعد کو "رے" کی حکومت دل سے عزیز تھی۔ جاہ طلبی اور حق شناسی کے جذبوں میں کشمکش ہوئی۔ اور خواہش دلی اور ضمیر میں جنگ۔

عمر سعد کو یکسوئی حاصل کرنے کیلئے ایک دن کی مہلت مانگنا پڑی مہلت ملی، اور عمر سعد نے اپنے مخصوص احباب و اعزا سے مشورہ لینا شروع کیا سب نے مخالفت کی اور اس مہم کیلئے جانے سے منع کیا حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ جو اُس کا بھانجا تھا، اُسکی تقریر یہ تھی کہ۔ (انشدك الله یا خال ان

تسیر الی الحسین فتاثم بربک وتقطع رحمک فواللہ لان تخرج من دنیاک ومالک وسلطان الارض کلھا لو کان لک خیر لک من ان تلقی اللہ بدم الحسینؑ۔

"میں آپ کو قسم دیتا ہوں خدا کی کہ آپ حسینؑ سے جنگ کو نہ جایئے اور گناہگار ہونے کے ساتھ ساتھ رشتۂ قرابت قطع کرنے کے مرتکب نہ ہوجیے خدا کی قسم اگر تمام دنیا اور مال و دولت اور عالم بھر کی سلطنت آپ کے قبضہ میں ہو اور پھر وہ نکلجائے تو بہتر ہے اس سے کہ آپ حسینؑ کے خون کا بار اپنی گردن پر لیجیے" (۱)

یہ وہ پہلو تھا جسے بھیجے مشیر کار پیش کر رہے تھے، لیکن دوسری طرف جاہ طلبی کا جذبہ یہ پہلو پیش کر رہا تھا کہ ابن زیاد نے پروانۂ حکومت اگر واپس لے لیا تو کیا ہو گا؟ رے کی اتنی بڑی حکومت ہاتھ سے جائے گی۔ ہمچشموں میں ذلت برداشت کرنا پڑے گی۔ اتنے بڑے منصب سے محروم ہونا پڑے گا، اور پھر جب کہ حسینؑ کے قتل کا جو کچھ جرم ہے اُسکا نتیجہ مرنے کے بعد نمایاں ہو گا جو معلوم نہیں صحیح بھی ہے یا نہیں، اور اس صورت میں جو نتیجہ ہے وہ وقتی ہے۔ رے کی نقد حکومت چھوڑ کے آخرت کے راحت و آرام کی امید باندھنا کسی سمجھدار آدمی کا کام نہیں ہے۔ یہی وہ خیالات تھے جن کو اُسکے منظوم

(۱) طبری۔ ج ۶ ص ۲۳۳

اشعار تاریکیٔ شب کے پردہ میں بستر تنہائی کے اوپر حیرت واضطراب کی کروٹوں کے ساتھ ظاہر کر رہے تھے (۱)

آخر دنیا کی وقتی دلفریبی غالب ہوئی اور اُس نے رسولؐ کے فرزند سے جنگ کے اوپر اپنی کمر باندھ لی۔

بے شک ضمیر کی چٹکیوں نے ایک آخری مرتبہ اُسکو ابن زیاد سے ظاہری انکار پر مجبور ضرور کیا کہ شاید اسی مرتبہ بغیر کسی دنیوی نقصان کے قتل حسینؑ کے جرم سے نجات ملجائے۔ اُس نے ابن زیاد سے آکر کہا کہ آپ مجھکو "دستبیٰ" اور "دیلم" کے حدود کی طرف جانے پر مامور کر چکے ہیں۔ لوگوں کو اسکا علم بھی ہو گیا ہے۔ اور میری فوج والوں نے بھی وہیں جانے کی تیاری کی ہے، بہتر ہے کہ آپ مجھکو اُدھر روانہ کیجئے، اور حسین بن علیؑ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے کسی اور کو اشراف اہل کوفہ میں سے جو کسی طرح شخصیت و شہرت اور فن سپہ گری و مہارت جنگ میں مجھ سے کم نہیں ہیں روانہ کر دیجئے۔ عمر سعد نے چند آدمیوں کا سرداران کوفہ میں سے نام بھی لیا۔ لیکن ابن زیاد برہم ہو گیا، اُس نے کہا کہ تمھیں سرداران کوفہ کے نام مجھے گنوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور مجھے اگر کسی کو بھیجنا ہو تو تمھارے مشورہ کی ضرورت

---

(۱) اصل اشعار کیلئے ملاحظہ طلب "قاتلان حسینؑ کا مذہب" تیسرا ایڈیشن ص۱۹

نہیں ہے۔ تم اپنی کہو اگر تمہیں ہماری فوج کے ساتھ جانا ہے تو جاؤ، نہیں تو ہمارا پروانہ جو حکومت رے کے متعلق ہے، واپس کر دو۔

عمر سعد نے دیکھ لیا کہ بے شک سوال دین و دنیا کا ہے، اور سخت ہے۔ کہا کہ اچھا جاؤں گا۔

چنانچہ وہی چار ہزار کی فوج جو ملک ایران جانے پر کمر بستہ موجود تھی لیکر وہ روانہ ہو گیا، اور امام حسینؑ کے ورود کربلا کے دوسرے ہی دن یعنی تیسری محرم کو کربلا میں پہونچگیا۔ (۱)

تیسرا باب ۳

کوشش صلح

عمر سعد کا دل حسین بن علیؑ کی جنگ سے پہلے ہی لرزاں تھا۔ کربلا آکر اُس نے معاملات کے روبہ اصلاح کرنے کی کوشش کی۔ عزرة بن قیس احمسی سے کہا کہ وہ امام حسینؑ کے پاس جاکر آپ کے مقصد، نصب العین اور نقطۂ نظر کو دریافت کرے۔ اتفاق سے عزرة بن قیس اُن لوگوں میں سے تھا، جنھوں نے امام حسینؑ کو

(۱) طبری ج ۶ ص ۲۳۳ الاخبار الطوال ص ۲۵۱

دعوتی خطوط لکھے تھے، اور کوفہ کی طرف آپ کے آنے کی خواہش کی تھی۔ اُس کو آپ کے پاس جانے سے اور اس قسم کی گفتگو کرنے سے شرم دامنگیر ہوئی، اور اس نے صاف انکار کیا کہ میں نہیں جاؤں گا۔

دوسرے ایسے ہی اشخاص کہ جو خطوط لکھ چکے تھے انھیں بھی جانے میں اس صورت سے توقف ہوا۔ اور آخر کثیر بن عبداللہ شعبی ایک درشت خو سخت مزاج انسان یہ کہتا ہوا سامنے آیا کہ میں جانے پر تیار ہوں، بلکہ اگر مجھے حسینؑ کے قتل کر دینے کا بھی حکم ہو تو میں اس مہم کو ابھی انجام دیدوں عمر سعد نے کہا نہیں یہ تو مجھے منظور نہیں ہے تم بس جا کر اتنا دریافت کر لو کہ آپ اس ملک میں آئے کس لئے ہیں؟ کثیر لشکر امام کی طرف روانہ ہوا۔ بہادر ابو ثمامہ صائدی جو شاید اسوقت خیمۂ امام حسینؑ کے اوپر پہرہ دے رہے تھے، اُنھوں نے دور سے دیکھ لیا، اور امامؑ سے عرض کیا کہ آپ کی طرف بڑا بدترین خلق خدا انسان اور انتہائی سفاک و خونریز شخص آرہا ہے۔

اسکے بعد آئے اور کثیر کو روک کر ہتھیار کھول کے رکھ دینے کا مطالبہ کیا۔ اُس نے کہا نہیں، یہ نہیں ہو سکتا، میں پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر تم اُس پیغام کو سنو تو میں کہدوں، نہیں تو واپس جاؤنگا۔

وفادار اور امام کی سلامتی کے خیر خواہ و جاں نثار ابو ثمامہ کو کسی طرح یہ گوارا نہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی اس سلح شوری کے ساتھ ساتھ اسلحہ لیکر امام کے پاس

جائے۔ انھوں نے کہا کہ اچھا کم از کم میں تیری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا اور اس طرح تجھ کو لیجاؤں گا۔ شیطنت مزاج انسان نے کسی طرح اس کو نہ مانا اور کہا کہ ہرگز نہیں، تم میری تلوار کو ہاتھ بھی لگانے نہ پاؤ گے۔ ابو ثمامہ نے کہا "تو پھر تو اپنا پیغام مجھ سے ہی کہدے، میں اس کا جا کر جواب لے آؤں گا۔ تجھے میں امام کے قریب نہیں جانے دوں گا۔

آخر آپس میں سخت کلامی ہو گئی، اور عزرہ واپس ہو گیا۔ عمر سعد کو تمام واقعہ سے مطلع کیا۔ اس نے قرۃ بن قیس حنظلی کو بلایا، اس سے کہا کہ تم جا کر دریافت کرو کہ آپ اس سرزمین پر کسلئے آئے ہیں۔

چنانچہ قرۃ بن قیس روانہ ہوا۔ امامؑ نے جو اسے آتے دیکھا، دریافت فرمایا "تم لوگ اس کو پہچانتے ہو؟ حبیب بن مظاہر نے کہا "جی ہاں، یہ ایک شخص ہے قبیلہ حنظلہ کا بنی تمیم میں سے، اور اپنی ننھیالی رشتہ داری سے ہمارا عزیز ہوتا ہے۔ میں ایک عرصہ سے اس کو جانتا ہوں، اور سنجیدہ و فرزانہ شخص سمجھتا تھا۔ مجھے یہ خیال نہ تھا کہ یہ اس موقع پر جنگ کیلئے ہمارے مقابل آئے گا۔"

وہ آیا، امام حسینؑ کی خدمت میں تسلیم بجا لایا، اور عمر سعد کا پیغام پہونچایا۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ کتب الی اھل مصرکم ھذا ان اقدم فاما اذ کرھونی فانا انصرف عنھم۔

"مجھ کو تمھارے شہر کے لوگوں نے لکھا تھا کہ میں آؤں لیکن اب جبکہ وہ

میرا آنا ناپسند کرتے ہیں تو میں واپس چلا جاؤنگا۔"

حبیب بن مظاہر کو موقع تبلیغ کا ملگیا تھا، کہنے لگے، اے قرۃ بن قیس ظالم جماعت کی طرف کہاں واپس جاتے ہو آؤ اور اس مظلوم کی مدد کرو جس کے بزرگوں کی بدولت تمھاری اور ہماری ہدایت ہوئی ہے۔ قرہ نے کہا میں جو پیغام لایا تھا اُسکا جواب پہونچادوں، پھر غور کرونگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے"۔ وہ گیا اور عمر سعد سے پورا جواب امام حسینؑ کا بیان کیا۔

جواب نہائی روادارانہ و صلح پسندانہ تھا عمر بن سعد کو بھی توقع قائم ہوئی کہ اب صلح ہو جائے گی۔ اُس نے عبیداللہ بن زیاد کے نام خط لکھا:

(اما بعد فانی حیث نزلت بالحسین بعثت الیہ رسولی فسالتہ عما اقدمہ وماذا یطلب ویسأل فقال کتب الی اھل ھذہ البلاد واتتنی رسلھم فسألونی القدوم ففعلت فاما اذ کرھونی فبدالھم غیر ما اتتنی بہ رسلھم فانا منصرف عنہم۔

"میں نے یہاں پہونچکر حسینؑ کے پاس اپنا نمایندہ بھیجا اور دریافت کیا کہ وہ کیوں آئے ہیں، اور کیا چاہتے ہیں، کیا مطالبہ کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ اس ملک کے لوگوں نے مجھ کو لکھا تھا اور میرے پاس اُن کے قاصد گئے تھے، اور مجھے ادھر آنے کی دعوت دی تھی، لیکن اب جب وہ میرا آنا ناپسند

کرتے ہیں اور اُن کے خیالات میں تبدیلی ہوگئی ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں اُدھر واپس چلا جاؤں گا۔"

خط پہونچا، ابن زیاد نے پڑھا اور غرورِ دنیا کے گھمنڈ اور تکبر، فرعونیت اور ذوقِ ظلم و سفاکی کے ساتھ یہ شعر پڑھ کر اپنی تاریک ذہنیت کا ثبوت دیا۔

الآن اذ علقت مخالبنا بہ ۔ یرجو النجاۃ ولات حین مناص

"اب جبکہ ہمارے چنگل اُن تک پہونچ گئے ہیں وہ نجات کے طالب ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اب وہ ہم سے بچکر کہاں جائیں گے"۔

اس قسم کے واقعات وہ ہوتے ہیں جن میں امن پسندی اور فتنہ جوئی، سلامت روی اور جفاکیشی، دونوں متضاد مرقعے انسان کے پیش نظر ہیں۔ اور اُسے موازنہ کا اچھی طرح موقع ملتا ہے۔

ابن زیاد نے عمر سعد کو خط لکھا۔

امّا بعد فقد بلغنی کتابک وفہمت ما ذکرت فاعرض علی الحسین ان یبایع لیزید بن معاویۃ ھو وجمیع اصحابہ فاذا فعل ذلک رأینا رأینا والسّلام۔

"خط پہونچا اور حال معلوم ہوا۔ تم حسینؑ کے سامنے یہ سوال پیش کرو کہ وہ اور اُن کے تمام اصحاب یزید بن معاویہ کی بیعت کرلیں۔ جب وہ ایسا کرچکیں گے تو پھر ہم اپنی رائے قائم کرینگے"۔

ابن زیاد کی فتنہ پسندی اس خط سے اتنی ظاہر تھی کہ عمر سعد بھی بلیساختہ اُسکا اظہار کر بیٹھا۔ اُسے معلوم تھا کہ بیعت یزید کا سوال حسین بن علی کے سامنے پیش کرنا گویا کفر و شرک کے ارتکاب پر اصرار کرنا ہے۔ وہ حسینؑ کی مذہبی خودداری سے ناممکن سمجھتا تھا کہ وہ یزید ایسے فاسق و فاجر کی بیعت کریں۔ اُس نے ابن زیاد کا خط پڑھ کر کہا۔ قد حسبت ان لا یقبل ابن زیاد العافیۃ

"اب میں سمجھ گیا کہ ابن زیاد امن و سکون کا خواہاں نہیں ہے"

لیکن پھر بھی اُس نے یہ کیا کہ ابن زیاد کا خط امام حسینؑ کے پاس بھیجد امام حسینؑ بے شک اپنے باپ کا دل اپنے سینہ میں رکھنے والے ہیں جو کہا کرتے تھے کہ مجھے موت سے وہ محبت ہے جو بچہ کو شیر مادر سے ہوتی ہے۔ وہ اس سوال بیعت کا کیا جواب دیتے، فرمایا

لا اجیب ابن زیاد الی ذلک ابدا فھل ھو الا الموت فمرحبا بہ

"میں ہرگز ابن زیاد کے اس مطالبہ کو پورا نہیں کروں گا۔ زیادہ سے زیادہ موت ہی تو ہے میں اسکا خیر مقدم کرنے کیلئے تیار ہوں" (الاخبار الطوال ۲۵۲)

چوتھا باب

فوجوں کی چڑھائی

حُر کے ساتھ ایک ہزار کی فوج تھی جو پہلے ہی سے موجود تھی۔ عمر سعد کے ساتھ بھی چار ہزار کا لشکر آیا۔ یہ پانچ ہزار ہوئے۔ تن تنہا حسین بن علی اور ان کے گنتی کے ساتھیوں کے مقابلہ کیلئے یہ تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ مگر حسینؑ کی خاندانی شجاعت اور ان کے ساتھیوں کے حقانی زور وطاقت کا ابن زیاد کے دل میں کیا دھڑکا سمایا ہوا تھا کہ وہ فوج کی زیادہ سے زیادہ مقدار کو کم سمجھتا رہا۔ ابن سعد نے امام حسینؑ کا جواب ابن زیاد کو لکھ دیا جس پر اُسکا غصہ برافروختہ ہوگیا۔ وہ خود اپنے تمام حشم وخدم کے ساتھ کوفہ سے باہر نخیلہ میں آکر خیمہ زن ہوگیا اور بڑے بڑے سرداران کوفہ حصین بن تمیم، حجار بن ابجر، شبث بن ربعی وغیرہ کو مامور کیا کہ وہ عمر سعد کی امداد کو جائیں۔

مجھکو لشکر کی اُس تعداد سے بحث نہیں ہے جو مورخین نے تحریر کی ہے بیسؔ ہزار، بائیس ہزار، تیسؔ ہزار، پچاسؔ ہزار، اسی ہزار، ایک لاکھ دو سو، آٹھ لاکھ۔ اور نہ علمار کے اقوال سے بحث ہے جنھوں نے ان میں سے کسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ جیسے علامہ مجلسی نے تیسؔ ہزار کی روایت کو، اور

ابن طاؤس نے بیس ہزار اور ابن شہر آشوب نے پینتیس ہزار۔

میں سمجھتا ہوں کہ اسکا صحیح فیصلہ ہمارے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ نہ کوئی باقاعدہ فوج کا حساب ہو رہا تھا، نہ فہرست مرتب تھی۔ نہ کسی حاضر الوقت نے اُسکی تعداد بتلائی ہے، اور نہ امام سے کوئی حدیث مذکور ہوئی ہے۔ پھر اس تعداد کو معینہ حیثیت سے مقرر کرنے کا ذریعہ ہی کیا ہے۔ لیکن میں وہ صورتیں پیش کرتا ہوں جو تاریخ نے عام فوجی بھرتی کی قلمبند کر دی ہیں، اور ان سے ایک اجمالی خاکہ کثرت لشکر کا سامنے آجائے گا۔ جیسے انسان اپنے ذہن کے موافق ان روایات میں سے جسکے مطابق سمجھ سکے۔ مجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔

میں لکھ چکا ہوں کہ پانچ ہزار فوج تو کربلا میں گنی ہوئی اور شمار کی ہوئی پہلے سے موجود تھی۔ ابن زیاد وہ ظالم و سفاک حاکم جس کے خوف سے کوفہ کی خلقت لرزہ براندام تھی، اُسکا یہ جوش و خروش۔ انہماک بھی دیکھ لیا گیا کہ وہ خود دار الامارہ کو چھوڑ کر نخیلہ میں آکر مقیم ہو گیا، تاکہ خود وہاں افواج کا جائزہ لے اور یہاں سے افواج روانہ کئے جائیں۔

ہماری متعدد پہلے کی کتابوں میں یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ حصین بن تمیم کی سرکردگی میں پہلے ہی سے کئی ہزار کی فوج موجود تھی جو قادسیہ سے لیکر قطقطانہ لعلع اور خفان وغیرہ کے چار طرفہ حدود تک ناکہ بندی کے سلسلہ میں مقیم تھی، انہی میں سے حُرّ کا ایک ہزار کا رسالہ تھا جو امام حسینؑ کو گھیر کر کربلا میں لایا۔

اب تم نے اُن سرداروں میں کہ جو کربلا بھیجے جا رہے ہیں حصین بن نمیم کا نام بھی پڑھ لیا۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ پوری کئی ہزار کی فوج کربلا بھیجدی گئی۔

حجار بن ابجر شیث بن ربعی عمرو بن حجاج وغیرہ بھی بڑے سردار ہیں۔ ان کو بھی ایک اکیلا نہیں سمجھنا چاہیے، اُن میں سے ہر ایک کثیر التعداد فوج کے ساتھ روانہ ہوتا تھا۔

بے شک، بہت سے ایسے بھی تھے جن کو حسینؑ سے جنگ کو جانا ناگوار خاطر تھا، مگر ابن زیاد کے حکم کے سامنے اپنی ذاتی ناگواری کوئی چیز نہ تھی بعض اشخاص ابن زیاد کو اپنی صورت دکھا کر پھر کوفہ واپس چلے جاتے تھے۔ جس کا ابن زیاد کو خاص طور سے احساس ہو گیا۔ مورخ دینوری کا بیان ہے۔

کان ابن زیاد اذا وجّہ الرّجل الی قتال الحسین فی الجمع الکثیر یصلون الی کربلاء ولم یبق منھم الّا القلیل کانوا یکرھون قتال الحسین فیرتدعون ویتخلفون فبعث ابن زیاد سوید بن عبد الرحمٰن المنقری فی خیل الی الکوفۃ وامرہ ان یطوف بھا فمن وجدہ قد تخلّف اتاہ بہ فبینا ھو یطوف فی احیاء الکوفۃ اذ وجد رجلا من اھل الشام قد کان قدم الکوفۃ فی طلب میراث لہ فارسل بہ الی ابن زیاد فامر بہ فضربت عنقہ فلما رای النّاس ذٰلک خرجوا۔

"ابن زیاد جب کسی شخص کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ حسینؑ سے جنگ کرنے کو بھیجتا تھا، وہ کربلا پہنچ جاتے تھے۔ بہت کم لوگ ایسے تھے جو حسینؑ سے جنگ کو ناگوار سمجھتے تھے، اور وہ فوج سے الگ ہو کر کوفہ میں رہ جاتے تھے

ابن زیاد نے سوید بن عبد الرحمٰن منقری کو تھوڑے سے سواروں کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ جو شخص کوفہ میں نظر آئے اور حسینؑ سے جنگ کو نہ گیا ہو اُسکو گرفتار کر کے لے آیا جائے۔ سوید نے کوفہ کے قبیلوں میں گردش کی۔

ایک شخص شام کا رہنے والا اپنے کسی ترکہ کے جھگڑے میں کوفہ آیا ہوا تھا، سوید نے اُسے پکڑ کر ابن زیاد کے پاس بھیجدیا اور اُس نے اس شخص کو قتل کر دیا۔ اسکا نتیجہ تھا کہ خوف اور دہشت کا اثر پورے طور سے قائم ہو گیا، اور تمام لوگ حسینؑ سے جنگ کیلئے باہر آگئے۔" (الاخبار الطوال ص۲۵۲)

اب کیا اس میں کوئی شبہہ ہے کہ کوفہ کربلا میں اُمڈ آیا اور کربلا کی زمین فوج کی کثرت سے سمندر کی طرح موجیں مارنے لگی۔

پانچواں باب
پانی کی بندش

اللہ! ایک وقت وہ تھا کہ حضرت عثمان بن عفان مدینہ کے دارالامارہ میں

محصور تھے بصر کے حملہ آور چاروں طرف سے محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ پانی کی کمی ہوئی تو حسینؑ، انہی مظلوم حسینؑ کے پدر بزرگوار علی بن ابیطالب نے مشکیں پانی کی دار الامارہ میں بھجوادی تھیں، اور انہی حسینؑ اوران کے بڑے بھائی حسن مجتبیٰؑ کو بھیجا تھا کہ دیکھو پانی پہونچنے میں رکاوٹ ہونے پائے۔ مگر افسوس! دنیا کی نابینائی اور بے انصافی آج معاملہ کو برعکس کرتی احسان فراموش خلقت احسان کو جرم بناتی، اور ناکردہ گناہ بلکہ محسن ہستی کو گنا ہگار بنا کر اپنی جفا کیشی کو جوش انتقام کے پردہ میں چھپانا چاہتی ہے۔

ابن زیاد کا غصہ فقط افواج کا سیلاب کربلا کی سمت روانہ کردینے پر نہیں تھا۔ اُس نے عمر سعد کو خط لکھا کہ "حسینؑ اور اُن کے اصحابؓ پانی بند کردو۔ اور انھیں ایک قطرہ بھی پانی کا نہ ملے، جیسا کہ مظلوم خلیفہ عثمان بن عفان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا۔ (۱)

عمر سعد نے اس خط کے دیکھتے ہی عمر بن حجاج زبیدی کو پانچ سو سواروں کی فوج کے ساتھ گھاٹ کے اوپر مقرر کردیا، کہ ایک قطرہ پانی کا حسینؑ اور اصحاب حسینؑ تک پہونچنے نہ پائے۔ تاریخ میں تصریح ہے کہ

(۱) طبری ج ۶ ص ۲۳۴۔ الاخبار الطوال ص ۲۵۲۔ اصلی عبارت اور دونوں کتابوں کے الفاظ میں جزئی تفرقہ ہے اور اس خط سے جو بعض نتائج برآمد ہوتے ہیں انکے لئے ملاحظہ ہو "قاتلان حسین کا مذہب" ص ۳۹

ذالک قبل مقتلہ بثلثۃ ایام۔" یہ امام حسینؑ کی شہادت سے تین روز قبل کا واقعہ ہے۔ (۱)

اب حسینؑ، اصحاب و انصار، سراپردۂ عصمت کی بیبیاں اور چھوٹے چھوٹے بچے۔ عرب کا ریگستان ہے، اور تپتی ہوئی ریگ کے ذرے۔ پانی نایاب ہے، اور پیاس کی طغیانی۔ اسکے اوپر زبان کے زخم۔ عبداللہ بن ابی حصین ازدی قبیلہ بجیلہ کا ایک شخص فوج عمر سعد سے باہر آتا، پکار کر کہتا ہے۔

یا حسین الا تنظر الی الماء کانہ کبد السماء واللہ لا تذوق منہ قطرۃ حتی تموت عطشا۔

"اے حسین۔ یہ پانی نہیں دیکھتے، کس طرح نیلا نیلا آسمانی رنگ کا بھرا ہے۔ مگر بخدا تمھیں اسمیں سے ایک قطرہ نہیں ملیگا۔ جبتک پیاس سے تم ہلاک نہو جاؤ۔"

یہ مقامات غیرت الٰہی کے جنبش میں آنے کے ہیں۔ حسینؑ کا روحانی اقتدار ایسی جگہوں پر مصروف عمل ہو گیا ہے۔

امام نے سر اٹھایا آسمان کی طرف اور کہا۔ اللھم اقتلہ عطشا ولا تغفرلہ ابدا "خداوندا اسے پیاس سے ہلاک کر اور اسکی کبھی مغفرت نہ فرما۔"

دیکھنے والے اس دعا کی قبولیت کے گواہ ہیں۔ وہ شقی پانی پیتا تھا اور کسی طرح سیراب نہ ہوتا تھا۔ یہانتک کہ ہلاک ہو گیا۔ (۲)

(۱) الاخبار الطوال ص ۲۵۳ طبری ج ۶ ص ۲۳۴۔ (۲) طبری ج ۶ ص ۲۳۴

چھٹا باب

صلح کی دوبارہ گفتگو

عمر سعد کے سابقہ طرز عمل اور گذشتہ حالات سے یہ پتہ ضرور چلگیا تھا کہ وہ اپنے دل سے حسینؑ سے جنگ کا طالب نہیں ہے، لیکن طمع دنیا اُسکے پیچھے ہٹتے ہوئے قدموں کو پھر آگے بڑھا دیتی ہے اور وہ صحیح راستہ پر آتے آتے بھٹک جاتا ہے۔

ایسی صورت میں لطف الٰہی کے تحت میں ایک داعی حق پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے جذبۂ حق پسندی کو تقویت دینے کی جو امکانی تحریک ہو اُسمیں دریغ نہ کرے، اور پھر جب کہ امن پسندی کا تقاضا بھی ایسی امکانی کوششوں کو ضروری قرار دیتا ہے جس میں حمایت باطل کا پہلو پیدا ہوئے بغیر جنگ و جدل کی آگ فرو ہو، اور خونریزی تک نوبت نہ پہونچے۔

امام حسینؑ کا طرز عمل ابتدا ہی سے روادارانہ تھا اور اسی رواداری کا نتیجہ تھا کہ آپ نے خود اپنی جانب سے عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری کو عمر سعد کے پاس بھیجا کہ آج شب کو مجھ سے دونوں طرف کے لشکروں کے درمیان میں مل لینا۔"

عمر سعد کوئی بیس سوار اپنے ساتھ لیکر نکلا۔ اور امامؑ بھی اتنے ہی ساتھیوں کی معیت میں تشریف لے گئے۔ لیکن جب قریب پہونچے حضرتؑ نے اپنے ساتھیوں سے

فرمایا کہ تم علیحدہ ہوجاؤ، جسکے بعد عمر سعد نے بھی اپنے ساتھیوں کو علیحدہ ہٹا دیا۔
راوی کا بیان ہے کہ ہم لوگ سب ہٹ گئے اسطرح کہ نہ ہمیں بات چیت کی آواز معلوم ہوتی تھی نہ کوئی بات سمجھ میں آتی تھی۔ گفتگو بڑی رات گئے تک ہوئی اور اسکے بعد دونوں آدمی اپنے اپنے لشکرگاہ کی طرف واپس گئے۔

گفتگو صیغۂ راز میں تھی، مگر لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بنا ڈالیں۔ یزید کے ہواخواہوں نے کہا کہ امام حسینؑ نے عمر سعد سے خواہش کی کہ مجھے یزید کے پاس لیچلو، میں اپنا ہاتھ اُسکے ہاتھ پر رکھدوں گا۔

عقبہ بن سمعان کا بیان ہے کہ حضرت نے کبھی اپنی زبان سے نہیں فرمایا کہ مجھے یزید کے پاس لیچلو۔

جس بات پر راویوں کا پورے طور سے اتفاق ہے، وہ یہ کہ حضرت نے فرمایا مجھے کسی دور سرزمین پر چلا جانے دو، یہاں تک کہ مسلمان میری عدم موجودگی میں اپنی قسمت کا فیصلہ کرلیں، اور یکسوئی حاصل ہوجائے۔

یہ مشہور روایت کہ حضرت نے ہندوستان آنے کی خواہش فرمائی تھی۔ شاید اسی قدر واقعیت پر مبنی ہے۔

عمر سعد کو پورے طور سے احساس ہوگیا کہ حضرت کا طرز عمل صلح پسندانہ ہے۔ اُس نے ابن زیاد کو خط لکھا، اور واقعہ سے اطلاع دی۔ امام حسینؑ کے مطالبات ذکر کئے، اور اپنی رائے بھی لکھدی کہ فی ھذا الکم رضا ولاامۃ صلاح

"اس مطالبہ کے پورا کرنے پر آپ کو رضامند ہونا چاہیے، اور مسلمانوں کی بھی بہتری ہے۔"

اُس نے اس صورت حال کو فال نیک اور نشان صلح وسکون بھی سمجھا کہ اُس نے تحریر کیا۔ ان اللہ قد اطفأ النائرۃ وجمع الکلمۃ واصلح امر الامۃ۔

"شکر ہے خدا کا کہ اُس نے آگ خاموش کی اور شیرازہ مستحکم کیا اور مسلمانوں کے امر کی اصلاح کر دی"۔ خط ابن زیاد کے پاس پہونچا اور اسکے اوپر بھی ایک وقتی اثر خوب پڑا، اُس نے کہا۔ ھذا کتاب رجل ناصح لامیرہ مشفق علی قومہ نعم قد قبلت۔

"یہ خط ہے ایک ایسے انسان کا جو اپنے امیر کا خیر خواہ اور اپنی قوم کا خیر اندیش معلوم ہوتا ہے۔ بے شک مجھے منظور ہے"۔

مگر کج فطرت اور پست نہاد شمر برافروختہ ہو گیا، اُس نے کھڑے ہو کر کہا "اب جبکہ وہ آپ کے حدود سلطنت میں اور آپ کی سرزمین پر آگئے ہیں آپ انھیں موقع دیتے ہیں، اور اُن کی یہ خواہش منظور کئے لیتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر آج وہ چلے گئے اور آپ کے قابو میں نہ آئے تو یاد رکھئے کہ قوت اور عزت اُن کا حصّہ ہوگی، اور ضعف وکمزوری آپ کا حق۔ آپ ہرگز انھیں ایسا موقع نہ دیجئے یہ آپ کی بڑی کمزوری ہوگی۔

بے شک انھیں چاہئے کہ وہ اور اُن کے اصحاب اپنے تئیں آپ کے حوالہ کر دیں

جس کے بعد اگر آپ سزا دیں تو بے شک آپ کو اختیار ہے، اور اگر معاف کرنا چاہیں تو آپ کی مہربانی ہے۔ رہ گیا عمر بن سعد اُسکا کیا ذکر۔ مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ رات رات بھر دونوں لشکروں کے درمیان اُس سے اور حسینؑ سے باتیں ہوتی رہتی ہیں۔

خوشامد آمیز، غیرت انگیز، مفسدانہ و فتنہ پردازانہ تقریر تھی جس سے ایک طرف تفوق طلبی وظفر انجامی کے جذبہ کو حرکت پیدا ہوئی، اور دوسری طرف انانیت اور غرور خودی کی رگ میں جنبش ہوئی، تیسری طرف ابن سعد کیجانب سے بدگمانی ہو گئی اور وہ خلوص و صداقت کا اثر جو اُسکی تحریر سے پڑا تھا، رخصت ہو گیا۔ شمر بڑا خیر خواہ دوست معلوم ہوا اور سچا مشیر کار ظاہر ہوا عمر بن سعد پر غصہ آیا کہ وہ لڑنے گیا ہے، رات رات بھر بیٹھکر دشمن سے باتیں کرتا ہے حسینؑ سے ملگیا ہے۔ ہمکو خواہ مخواہ دھوکا دیتا ہے۔

پھر ایسے مشتبہ شخص کا سردار لشکر ہونا کیسا۔ یقیناً شمر کو کربلا بھیجا جائے تاکہ ابن سعد کے طرز عمل کا تدارک ہو حسینؑ کے ساتھ ہر قسم کی صلح پسندانہ گفتگو کا سدّ باب ہو۔

ابن زیاد نے اسی غصہ کے عالم میں عمر سعد کے نام خط لکھا۔

اما بعد فانی لم ابعثک الی حسین لتکف عنہ ولا لتطاولہ ولا لتمنیہ السلامۃ و البقاء ولا لتقعد لہ عندی شافعا انظر

فان نزل حسین واصحابہ علی الحکم واستسلموا فابعث بہم
الی سلما وان ابوا فازحف الیہم حتی تقتلہم وتمثل بہم فانہم
لذلک مستحقون فان قتل حسین فاوطیٔ الخیل صدرہ وظہرہ
فانہ عاق مشاق قاطع ظلوم ولیس دھری فی ھذا ان یضر بعد
الموت شیئا ولکن علیّ قول لو قد قتلتہ فعلت ھذا بہ ان انت
مضیت لامرنا فیہ جزیناک جزاء السامع المطیع وان ابیت
فاعتزل عملنا وجندنا وخلّ بین شمر بن ذی الجوشن وبین
العسکر فانّا قد امرناہ بامرنا۔

"میں نے تجھکو حسین کی جانب اسلئے نہیں بھیجا تھا کہ تو اُن کے ساتھ مراعات کرے یا اُن کے ساتھ معاملات کو طول دے، یا اُن کو زندگی کی امیدیں دلائے، یا میرے پاس اُن کی سفارش کرنے بیٹھے۔ دیکھ اگر حسین اور اُن کے اصحاب میرے حکم پر سر تسلیم خم کریں اور اپنے تئیں میرے رحم وکرم کے سپرد کریں تو اُن کو خاموشی کے ساتھ میرے پاس بھیجدے اور اگر وہ انکار کریں تو اُن کے اوپر حملہ کردے، یہاں تک کہ انھیں قتل کر ڈال اور اُن کے اعضا کو قطع کر۔ کیونکہ وہ لوگ اسی کے مستحق ہیں"

وحشت کی انتہا اور درندگی کی حد ہے۔ اسلام کا نام بدنام کرنیوالے۔ انسانیت کی پیشانی عرق انفعال سے تر کرنے والے۔ تاریخ کو ہمیشہ کے لئے

انگشت بدنداں قرار دینے والے الفاظ یہ ہیں، جو کسی اور کی نسبت نہیں، رسولؐ کے سب سے پیارے نواسے حسینؑ کی نسبت لکھے جا رہے ہیں۔

وہ قلم شگافتہ نہ ہو گیا، وہ روشنائی خشک نہ ہو گئی۔ وہ ہاتھ بیکار نہ ہو گیا جس سے صفحہ کاغذ پر ان الفاظ کی سیاہی پھیل رہی تھی کہ

"اگر حسین قتل ہو جائیں تو اُن کے سینہ اور پشت کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرانا، کیونکہ وہ سلطنت کے باغی، مخالف اور حریف ہیں۔

میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سے موت کے بعد اُن کو کوئی نقصان پہونچیگا لیکن میں یہ زبان سے کہہ چکا ہوں کہ اگر حسین کو قتل کروں تو اُن کے ساتھ یہ سلوک کروں گا۔

اگر تو نے ان احکام کا اجرا کیا تو خیر تجھے معاوضہ ملے گا جو ایک وفادار فرمانبردار کو ملنا چاہیے، اور اگر تجھے یہ منظور نہ ہو تو لشکر کی سرداری سے علیحدہ ہو جا اور اُسے شمر کے سپرد کر دے جسکو ہم نے پورے طور سے مناسب ہدایتیں کر دی ہیں۔"

یہ خط شمر کے حوالہ کیا اور اُس سے زبانی کہدیا کہ یہ خط عمر سعد کے پاس لیجاؤ اُس سے کہو کہ وہ حسین اور اصحاب حسین کے سامنے میرے حکم کی پابندی کا سوال پیش کرے۔ اگر وہ لوگ اس پر آمادہ ہوں تو انھیں خاموشی کے ساتھ میرے پاس بھیجدے، اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو اُن سے جنگ کرے۔

درصورتیکہ عمر سعد ایسا کرنے پر آمادہ ہو تو تم اسکی ماتحتی میں رہنا، اور اسکے احکام پر عمل کرنا، اور اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کرے تو تم سرداری لشکر کو اسکے ہاتھ سے لے لینا، اور تم خود بحیثیت سردار ان لوگوں سے جنگ کرنا، اور عمر سعد کا سر قلم کرکے میرے پاس بھیجدینا"۔

شمر نے خط لیا اور کربلا کی سمت روانہ ہوا۔

ساتواں باب

نویں تاریخ کی سہ پہر

ابن زیاد کا خط شمر کے ہاتھ عمر سعد کو پہونچگیا۔ وہ خط کو دیکھتے ہی واقعہ کی تہ تک پہونچگیا۔ سمجھ گیا کہ شمر کی شرارت تھی۔ کہنے لگا۔

مالک ویلک لا قرب اللہ دارک وقبح اللہ ما قدمت بہ علی واللہ انی لاظنک انت ثنیتہ ان یقبل ما کتبت بہ الیہ افسدت علینا امرا کنا رجونا ان یصلح لا یستسلم واللہ حسین ان نفسا ابیۃ لبین جنبیہ۔

"یہ تو نے کیا کیا؟ خدا تجھ سے سمجھے، خدا تجھے غارت کرے اور برا کرے

اس پیغام کا جو تو میرے پاس لایا ہے۔ خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ تو ہی نے ابن زیاد کو میرے مشورہ کے قبول کرنے سے روک دیا۔ تو نے بگاڑ دیا ایک ایسی بات کو جسکے بنجانے کی مجھ کو امید تھی۔ خدا کی قسم حسینؑ ہرگز اپنے تئیں ابن زیاد کے سپرد نہ کرینگے حسین اپنے سینہ میں ایک غیور دل رکھتے ہیں"۔

کیا کہنا اس اباۓ نفس۔ اس شہامت طبع۔ اس آن بان اور اس غیرت حق کا جس کیلئے ایک مخالف کی زبان اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔

شمر نے کہا ان باتوں کو جانے دو۔ یہ بتاؤ کہ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟ امیر کے حکم پر عمل کروگے، اور دشمن سے جنگ کروگے یا سرداری لشکر کی میرے سپرد کروگے؟

کمزور دل والا انسان، دنیا پر جان دینے والا عمر سعد اپنی تمام قلبی کیفیتوں اور ضمیر کی ہدایتوں کو اسوقت بھول جاتا تھا، جب دنیا کے وقتی راحت و آرام اور جاہ و ثروت کے ہاتھ سے چلے جانے کا سوال پیش ہوتا تھا۔ وہ دنیا کے عشق میں اسوقت اپنی تمام وجدانی کیفیتوں کے پامال کرنے پر تیار ہو جاتا تھا جس راہ میں اسکو بڑے سے بڑے جرم کا ارتکاب کرنا پڑیگا۔

خطرہ بالکل نقد تھا۔ اور اپنا رقیب عشق سرداری (شمر بن ذی الجوشن) سامنے موجود تھا، اور صرف ایک ہاں یا نہیں کا جواب تھا جسکے اوپر تمام فیصلہ کی بنیاد تھی۔

جس کے ساتھ فقط سرداری رہنے اور نہ رہنے کا سوال ہی نہ تھا بلکہ جیسا ابن زیاد کی گذشتہ تقریر سے معلوم ہوا، جان کا بھی مرحلہ پیش تھا اور مخالفت کی صورت میں قتل کا سامان بھی مہیا تھا۔ اس کیلئے تو بے شک ویسے ہی جذبۂ حق پسندی کی ضرورت تھی جو خدا کاران راہ حقانیت کو ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ کر سکتا ہے۔

عمر سعد اس جذبہ سے عاری اور ثبات و استقلال کے وادی سے اجنبی تھا شمر کے اس سوال پر اُسکو کہدینا پڑا کہ "نہیں میں ہی اس خدمت کو انجام دوں گا۔"

شمر کا وجود عمر سعد کیلئے سوہان روح تھا۔ ابن زیاد کی بدگمانی اپنی نسبت بالکل ظاہر ہو چکی تھی، اب اُسے اپنی وفاداری اور اخلاصمندی کا ثبوت پیش کرنا تھا، اسلئے اب جنگ میں تھوڑی بھی تاخیر اُسکو منظور نہیں تھی۔

بے شک شمر کو ابھی لشکر امام حسینؑ میں اپنے ایک مقصد کی کوشش اور ایک امر کی ریشہ دوانی کرنا تھی جس کی اُس نے کوفہ سے چلتے وقت ہی تدبیر کر لی تھی۔

امام حسینؑ کے وفادار بھائی ابوالفضل العباس کی والدہ معظمہ ام البنین تھیں جنکا اصلی نام و نسب فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر بن کلاب ہے

اور شمر جسکا تذکرہ کیا جارہا ہے، شمر بن ذی الجوشن بن شراحبیل بن اعور قرط بن عمرو بن معاویہ بن کلاب ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ جناب ام البنین قوم و قبلیہ کے اعتبار سے شمر کے ساتھ قرابت رکھتی تھیں، اور شمر جناب عباس اور انکے حقیقی بھائیوں کو رشتہ کے لحاظ سے اپنا بھانجا خیال کرتا تھا۔

اُس نے کوفہ سے چلتے وقت ابن زیاد کیجانب سے حضرت عباس اور انکے بھائیوں کیلئے ایک تحریری امان لکھوالی تھی جیسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا اب کربلا میں پہونچکر عمر سعد کی گفتگو کے بعد وہ فوج حسینی کے مقابل آیا، اور پکار کر کہا۔ (این بنو اختنا) "کہاں ہیں ہماری بہن کے بیٹے"!

حضرت عباس، جعفر و عثمان و عبداللہ چاروں بھائی سامنے آئے اور پوچھا کیا ہے؟ کیوں پکارا ہے؟ شمر نے کہا "تم اے میری بہن کے فرزندو! امان میں ہو۔"

چاروں جوانوں نے پکار کر کہا۔ لعنک اللہ و لعن امانک لئن کنت خالنا اتؤمننا و ابن رسول اللہ لا امان لہ۔

"لعنت خدا کی تجھ پر اور تیری امان پر۔ تو ہمارا ماموں سہی۔ مگر یہ کیا کہ ہم کو تو امان ہے، اور فرزند رسولؐ کو امان نہیں ہے"!

ایسا ہی دوسرا واقعہ اور پیش آیا کہ عبداللہ بن ابی المحل بن خرام نے، جو جناب ام البنین کا حقیقی بھتیجا تھا۔ ابن زیاد کے پاس جاکر کہا

کہ ہمارے پھوپھی زاد بھائی حسین کے لشکر میں ہیں، اُن کیلئے امان تحریر کر دی جائے۔ ابن زیاد نے کہا "ہاں بسر و چشم"۔ اور اپنے کاتب سے امان لکھوا دی۔ عبداللہ نے اپنے غلام "کزمان" کے ہاتھ اس امان نامہ کو روانہ کیا۔ جب وہ کربلا آیا تو اس نے جناب عباس اور ان کے تینوں بھائیوں کو اس امان سے مطلع کیا۔ چاروں بھائیوں نے اس تحریر کو واپس کیا۔ کہا ہمارا سلام کہنا اور کہدینا کہ ہم کو تمھاری امان کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کے یہاں کی امان ہمارے لئے بہتر ہے ابن زیاد کی امان سے

یہ واقعہ عام طور سے مشہور نہیں ہے لیکن تاریخ میں معتبر طریقہ سے موجود ہے (۱)

نویں تاریخ کی شام ہونے نہیں پائی تھی کہ عمر سعد نے جنگ کی تیاری کر دی اور امام حسینؑ پر حملہ کا حکم دیدیا۔

امام حسینؑ عصر کی نماز کے بعد خیمہ مبارک کے دروازہ پر تلوار کا سہارا لئے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ نیند غالب ہوگئی تھی۔

اچانک ایک مرتبہ دشمن کی فوج نے حملہ کر دیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں اور فوج کے غل کی آواز جناب زینب کے کان میں گئی۔ آپ امام حسینؑ کے قریب آئیں اور کہا "بھائی! بھائی، دیکھئے دشمن کے لشکر کی آوازیں بہت قریب سے آرہی ہیں"۔ حضرت نے سر اٹھایا، فرمایا میں نے

(۱) طبری ج ۶ ص ۲۳۶

ابھی رسالتمآب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرماتے ہیں تم عنقریب ہمارے پاس آیا چاہتے ہو۔"

حملہ آور لشکر کے شور وغل سے جناب زینب کا دل دہلا ہوا تھا ہی۔ اب بھائی نے یہ خواب بیان کر دیا تو زینب کی آنکھوں میں نہ معلوم کون منظر گردش کرنے لگا۔ کرتیں کیا؟ بس ایک دفعہ چہرہ پر اپنے دو ہتڑ لگایا اور کہا یا ویلتا۔ "ارے غضب"۔

امام نے تسکین دی اور فرمایا۔ لیس لک الویل یا اخیۃ اسکنی رحمک الرحمٰن۔ "غضب تمھارے دشمنوں کیلئے۔ اے بہن خاموش رہو۔ خدا تم پر رحم کرے گا۔"

اتنی دیر میں جناب عباس بھی پہونچ گئے، کہا۔ یا اخی اتاک القوم۔ "بھیا لشکر آ گیا!" حضرت یہ سنکر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے محبت آمیز انداز میں فرمایا۔ یا عباس ارکب بنفسی انت یا اخی حتی تلقاھم فتقول لھم ما لکم وما بدا لکم وتسألھم عما جاءھم۔

"اے عباس! میں قربان تم پر اے بھائی سوار ہو اور ان کے پاس جاؤ ان سے پوچھو کہ آخر یہ کیا ہے اور ان کی رائے میں کیا تبدیلی ہوئی؟ اور اس بے وقت حملہ کا کیا سبب ہے؟"

جناب عباس بیس سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ غالباً اصحاب نے

حضرت کو جاتے دیکھکر خود ہی تنہا جانا گوارا نہ کیا ہوگا اور گھوڑے بڑھا دیے ہونگے۔ آپ نے جاکر دریافت کیا۔ مابدالکم وما تریدون۔ "تمھاری رائے میں کیا تبدیلی ہوئی اور اب تم کیا چاہتے ہو؟ جواب ملا کہ امیر ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ تم لوگوں سے امیر کی اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کریں اور نہیں تو تم سے جنگ کیجائے۔" آپ نے فرمایا کہ اچھا پھر تم جلدی نہ کرو۔ میں امامؑ کے پاس جاکر تمھارا یہ جواب عرض کردوں۔ جناب عباس گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے امام حسینؑ کی خدمت میں گئے کہ آپ کو واقعہ سے اطلاع دیں۔ اصحاب جو ساتھ گئے تھے وہ دشمن کے مقابل کھڑے رہے اور موقع کو غنیمت سمجھکر چاہا کہ کچھ تبلیغ ہی کے فرض کو انجام دیں۔ حبیب بن مظاہر زہیر بن قین کی طرف متوجہ ہوئے، اور کہا دل چاہے تو کچھ ان لوگوں سے گفتگو کرو۔ نہیں کہو تو میں ہی کچھ کلام کروں۔ زہیر نے کہا ابتدا اس خیال کی آپنے کی، تو آپ ہی کلام بھی کیجئے۔"

حبیب متوجہ ہوئے فوج مخالف کی طرف اور اسطرح تقریر کرنا شروع کی۔

اما واللہ لبئس القوم عند اللہ غدا قوم یقدمون علیہ قد قتلوا ذریۃ نبیہ وعترتہ واھل بیتہ وعباد اھل ھذا المصر المجتھدین بالاسحار والذاکرین اللہ کثیرا۔

"یاد رہے کہ بڑی بری ہوگی خدا کے سامنے کل وہ جماعت جو اسکا سامنا

کریگی اس حالت میں کہ اُس کے نبی کی ذرّیت اور اہلبیت کو اُس نے قتل کیا ہو اور اس ملک کے اُن عبادت گذاروں کا خون بہایا ہو، جو پچھلے پہر خدا کی عبادت کرنے والے اور ذکر الٰہی میں کثرت سے مصروف رہنے والے ہیں"۔

عزرہ بن قیس احمسی جو فوج مخالف میں تھا، اُس نے بات کاٹنے کیلئے مذاق کے طور پر کہا "حبیب! جہاں تک ہو سکتا ہے تم اپنی تعریف اور اپنے نفس کی پاکیزگی کا اظہار ضرور کرتے ہو"۔

زہیر نے جواب دیا "اے عزرہ خدا ہی نے اُن کے نفس کو پاکیزہ کیا ہے۔ اور اُسکو راہ راست کی طرف ہدایت کی ہے"۔

زہیر کے متعلق یہ واقعہ ہے کہ یہ پہلے علیؑ اور اولادِ علیؑ سے کوئی خاص تعلق نہ رکھتے تھے، بلکہ شام والوں کے ہمخیال تھے، اور اسلئے عثمانی جماعت میں مشہور و معروف تھے۔ مکہ معظمہ و کربلا کے درمیانی راستہ میں ایک منزل پر امام حسینؑ نے ان سے ملاقات کر کے اپنی نصرت کی دعوت دی۔ توفیق شامل حال ہوئی اور قسمت نے یاوری کی۔ دل میں محبت اہلبیت پیدا ہوئی، اور یہ جان و دل سے حسینؑ کے اوپر نثار ہونے کو تیار ہو گئے۔

یہی باعث تھا کہ اسوقت زہیر کی آواز جو انصار حسینؑ کے درمیان بلند ہوئی تو مخالف فوج کے لوگوں کو تعجب ہو گیا، اور عزرہ بن قیس نے مڑ کر زہیر کی طرف نظر ڈالی اور کہا۔ یا زهیر ما کنت عندنا من شیعة اهل

هذا البيت انما كنت عثمانيا۔

"اما زہیر تم ہو تم تو ہماری دانست میں اس خاندان کے شیعوں میں سے نہ تھے، بلکہ عثمانی مذہب رکھتے تھے"۔

زہیر نے کہا۔ (فلا تستدل بموقفي هذا اني منهم اما والله ما كتبت اليه كتابا قط ولا ارسلت اليه رسولا قط ولا وعدته نصرتي قط ولكن الطريق جمع بيني وبينه فلما رايته ذكرت به رسول الله ومكانه منه وعرفت ما يقدم عليه من عدوه وحزبكم فرأيت ان انصره وان اكون في حزبه وان اجعل نفسي دون نفسه حفظا لما ضيعتم من حق الله وحق رسوله عليه السلام۔

"اب تو تم میرے یہاں ہونے سے سمجھے کہ میں شیعیان اہلبیت میں سے ہوں۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کی قسم میں نے امام حسینؑ کو کبھی خط نہیں لکھا تھا اور نہ کوئی قاصد روانہ کیا تھا، نہ کبھی نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن راستہ میں اتفاق سے مجھ سے اور اُن سے ملاقات ہو گئی، اور جب میں نے اُنھیں دیکھا تو مجھے رسالتمآب اور وہ تعلقات جو ان کو اُن سے ہیں یاد آگئے اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنے دشمن یعنی تمہارے گروہ کی طرف جا رہے ہیں۔ تو میں نے اچھا سمجھا کہ میں ان کی نصرت کروں اور ان کی جماعت میں

داخل ہوں اور اپنی جان کو ان پر نثار کر دوں۔ حفاظت کرتے ہوئے خدا و رسولؐ کے اُن حقوق کی جنکو تم نے ضائع کر دیا ہے۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جناب عباس آگئے اور فرمایا کہ "امامؑ نے ایک شب کی مہلت مانگی ہے، صبح کو دیکھا جائیگا۔"

عمر سعد شمر کی موجودگی کو اپنے لئے انتہائی خطرناک سمجھتا تھا اس لئے اب وہ امام حسینؑ کے معاملہ میں ہر امر میں خواہ مخواہ کے لئے بھی تشدد سے کام لیتا تھا۔ اسکو برابر شمر کی ذات سے دھڑکا لگا ہوا تھا چنانچہ اس موقع پر وہ شمر کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "کہو تمھاری کیا رائے ہے؟"

اُس نے کہا "جو آپ کی رائے۔ حاکم آپ ہیں اور معتبر آپکی رائے ہے"۔

عمر سعد نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ مہلت نہ دیجائے"۔ پھر وہ دوسرے سرداران لشکر کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "تمھاری کیا رائے ہے؟" عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا۔

"سبحان اللہ! اگر یہ لوگ قبیلہ ترک و دیلم کے بھی ہوتے اور اتنی مراعات کے طالب ہوتے تو تمھیں اُن کے ساتھ یہ مراعات کرنا لازم تھی"۔ قیس بن اشعث نے بھی یہی مشورہ دیا کہ مہلت دینا چاہیئے۔

آخر ایک شب کی مہلت ملگئی اور بڑھی ہوئی حملہ آور فوج پیچھے واپس گئی۔

آٹھواں باب

عاشور کی رات

یہ ماہ زہرا کے عمر کی دنیا میں آخری شب ہے۔ اس شب کی مہلت اتنی کوشش کے ساتھ رسولؐ کے فرزند نے مانگ کر لی ہے۔ ظاہر بیں اشخاص کی سمجھ میں آتا ہو گا کہ حسینؑ کوئی لڑائی کی تیاری کرنا چاہتے ہیں۔ کسی پہونچنے والی امداد کا انتظار کر رہے ہیں۔ اپنے اہلبیت اور عزیز پردگیان عصمت کو دل بھر کر دیکھ لینا اور رخصت کر لینا چاہتے ہیں۔ یا اپنے بعد کے واسطے انکے لئے کچھ انتظامات کرنا منظور ہیں، اور انھیں کسی کے سپرد کرنا مدنظر ہے، یا کچھ نہیں تو کم از کم کچھ وصیتیں کرینگے، اور اپنے بعد کے واسطے ہدایات فرمائینگے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کچھ بھی نہ تھا۔ آپ نے اپنی مہلت مانگنے کا سبب اُسی وقت جب جناب عباسؑ کو مہلت لینے کیلئے بھیجا ہے، ظاہر کر دیا تھا، آپ نے فرمایا تھا۔

لعلنا نصلی لربنا اللیلۃ وندعوہ ونستغفرہ فھو یعلم انی قد کنت احب الصلوٰۃ لہ وتلاوۃ کتابہ وکثرۃ الدعاء والاستغفار۔

"ہم آج کی رات اپنے پروردگار کی خوب عبادت کر لیں، اور دعا و استغفار میں مصروف رہیں، کیونکہ خدا خوب واقف ہے کہ میں ہمیشہ سے اُس کی عبادت اور تلاوت قرآن اور کثرت دعا و استغفار کو محبوب سمجھتا رہا ہوں"۔ (طبری ج ۶ ص ۲۳۸ مطبوعہ مصر)

ایسا ہی ضحاک بن عبداللہ مشرقی کا بیان ہے۔

قاموا اللیل کلہ یصلون ویستغفرون ویدعون ویتضرعون

"وہ تمام شب گذاری اس طرح کہ نماز اور دعا اور استغفار اور تضرع میں مصروف تھے"۔ (۱)

بے شک ابتدائے شب حضرت نے اپنے اصحاب کو جمع کیا۔ شاید تدابیر جنگ کے متعلق مشورہ کیلئے؟ مگر نہیں! بلکہ اپنے آخری انجام سے مطلع کر کے اُن کو اختیار دینے کیلئے کہ وہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں۔

یہ ہیں "مجاہد کربلا" کی حقانیت و صداقت کے اصلی خط و خال۔ یہ ہے "مجاہد کربلا" کی اصلی آن بان، اور حقیقی استغنا کی شان۔

وہ دل لبھانے والی تقریروں سے، جوش و خروش پیدا کرنے والے بیانات سے، خوش آیند امیدوں کے سبز باغ سے اور دلفریب توقعات کے سراب خیال سے اپنے ساتھ والوں کو گرویدہ بنانے کی کوشش نہیں

(۱) طبری ج ۶ ص ۲۴۰

کر رہے تھے، بلکہ اُن کے سامنے حقیقت حال کو واضح کر کے غلط فہمیوں کے پردہ کو چاک کر دینا چاہتے تھے۔

ہمارے سامنے ہیں بڑے بڑے افراد کے حالات اور اُن کے منتسبین کے طرزِ عمل۔ ہمارے سامنے ہیں انجیل کے بیانات جن میں حضرت یسوع مسیح کا اپنے شاگردوں سے اپنی گرفتاری اور سولی پر چڑھائے جانے کا واقعہ بیان کرنا مذکور ہے ہمارے پیش نظر ہے یہ صورت کہ یسوع مسیح کو انھی شاگردوں میں سے ایک آدمی پکڑوا دیتا ہے، جب وہ پہلے سے تنہا بھی چکے ہوتے ہیں اور دوسرے شاگردوں کی نسبت وہ صاف طور سے کہہ بھی دیتے ہیں کہ تم سب اس رات میری بابت ٹھوکر کھاؤ گے۔ اور اُن کے سب سے مخصوص ساتھی پطرس یہ کہتے ہیں کہ سب آپ کی نسبت ٹھوکر کھائیں مگر میں تو ٹھوکر نہ کھاؤں گا، اور یسوع خبر دیتے ہیں کہ نہیں، مرغوں کے اذان دینے سے پہلے تم تین بار میرا انکار کرو گے! پطرس نے عہد کیا کہ اگر آپ کے ساتھ مجھے مرنا بھی پڑے تو بھی آپ کا انکار ہرگز نہ کروں گا، اور سب شاگردوں نے بھی یہی کہا۔" مگر وقت پر کیا ہوا؟ وہی سب کے ساتھ چھوڑ دیا۔ پطرس نے تین مرتبہ عیسیٰ کے ساتھ ہونے سے انکار کیا، بلکہ لعنت بھی کی اور اپنی جان بچائی۔"

(ملاحظہ ہو انجیل متی باب ۲۶ مرقس ۱۴ لوقا ۲۲ یوحنا ۱۸)

ہمارے سامنے ہیں رسالتمآبؐ کے اصحاب کی وفاداریاں اور جنگ احد میں ان کا عالم، اور ہمارے پیش نظر ہے امیر المومنینؑ کے ساتھیوں کا عالم بھی جن کی نسبت آپ یہ فرماتے تھے کہ قد شحنتم صدری غیظا وملأتم قلبی قیحا۔

"تم نے میرے سینہ کو غم و غصہ سے بھر دیا اور میرے دلکو پیپ کر دیا"

یقیناً ان تمام کے مقابلہ میں جب حسین بن علیؑ کے اصحاب کو پیش کرتے ہیں تو وفا کے مجسمے، ثبات و استقلال کے مرقعے، بات پر مر مٹنے کے نمونے، اور اپنے امام کی صحیح اطاعت و معرفت کے بے نظیر نقشے نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔

امامؑ نے اصحاب کو جمع کیا۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ میں بیمار تھا مگر قریب چلا گیا کہ سنوں! حضرت کیا فرماتے ہیں۔

حضرت نے حمد و ثنائے الٰہی ادا فرمائی پھر فرمایا:۔

انی لا اعلم اصحابا اوفٰی ولا خیرا من اصحابی ولا اهل بیت ابرّ ولا اوصل من اهل بیتی فجزاکم الله عنی جمیعا خیرا الا وانی اظنّ یومنا من هؤلآء الاعدآء غدا الا وانی قد رأیت لکم فانطلقوا جمیعا فی حلّ لیس علیکم منی ذمام هذا اللیل قد غشیکم فاتخذوه جملا:۔

"مجھے خبر نہیں دنیا میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے بہتر اور زیادہ وفادار ہوں، اور نہ کسی کے عزیزوں کو جانتا ہوں کہ میرے عزیزوں سے زیادہ حق شناس اور مطیع و فرمانبردار ہوں۔ خدا تم سب کو میری طرف سے نیک بدلا دے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ میرے خیال میں ہماری قسمت کے فیصلہ کا ان لوگوں کے ساتھ کل کا دن ہے۔ میں نے تم لوگوں کے متعلق غور کیا۔ میری رائے تم لوگوں کی نسبت یہ قائم ہوئی کہ تم سب کے سب چلے جاؤ بالکل خوشی کے ساتھ۔ میری جانب سے تم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہے۔ دیکھو یہ رات کی تاریکی موجود ہے، اسے تم اپنا ذریعۂ نجات قرار دو۔ اور اسی کے سہارے پر یہاں سے جلدی نکلجاؤ۔"

اصحاب کے دلوں پر غربت کا اثر نہ پڑنے کی خاطر یہ بھی فرمایا کہ۔ لیاخذ کل رجل منکم بید رجل من اھل بیتی ثم تفرقوا فی سوادکم ومدائنکم حتیٰ یفرج اللہ فان القوم انما یطلبونی ولو قد اصابونی لھوا عن طلب غیری۔

"ہر شخص تم میں سے ایک ایک شخص کا میرے عزیزوں سے بھی ہاتھ پکڑلے اور اپنے ساتھ لیتا جائے، اسلئے کہ یہ لوگ صرف میرے طالب ہیں۔ اگر مجھے قتل کر ڈالیں تو پھر کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہونگے۔"

یہ سننا تھا کہ مجمع میں ایک بےچینی پیدا ہو گئی۔ بھائی، بیٹے، بھتیجے اور عبداللہ

بن جعفر کے دونوں صاحبزادے بیک زبان پکار اٹھے کہ۔ لم نفعل لنبقی بعدک
لا ارانا اللہ ذالک ابداً۔ "یہ کیوں؟ کس لئے ہم ایسا کریں؟ کیا اسلئے کہ آپ کے
بعد ہم زندہ رہیں۔ ہرگز نہیں! خدا ہمکو یہ روز بدنصیب نہ کرے"!

ان میں سب سے پہلے اس قول کے کہنے والے حضرت ابوالفضل العباس تھے
جنکے بعد دوسرے جوان اور نوجوان بھی آپ کے ہم آواز ہوئے تھے۔

امامؑ متوجہ ہوئے اولادِ عقیل کی طرف، فرمایا "تمھارے لئے تو مسلم کا قتل ہو چکنا
بہت کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں تمھیں اجازت دیتا ہوں"! انھوں نے کہا۔

"لوگ ہمیں کیا کہیں گے کہ ہم نے اپنے سردار و آقا اور اپنے بھائیوں،
چچاؤں کو چھوڑ دیا اور اُن کے ساتھ نہ کوئی تیر لگایا، نہ نیزہ مارا، اور نہ شمشیر سے
جنگ کی، بلکہ خبر بھی نہ لی کہ اُن پر کیا گذری۔ ہرگز نہیں ہم ایسا نہیں کرینگے بلکہ
آپ پر اپنی جانیں نثار کرینگے۔ آپکے بعد زندہ رہنے کا کوئی مزہ نہیں ہے"۔

ابھی تک اعزہ کلام کر رہے تھے۔ اصحاب سب خاموش تھے۔ اب مسلم بن عوسجہ
اسدی کھڑے ہوئے۔ کبیر السن، کمر خمیدہ اسّی برس کی عمر، مگر الفاظ میں وہ زور،
وہ جوش و طاقت کہ جوانمردوں کے دل مرعوب اور دہشت سے خوفزدہ ہو جائیں
رخ کیا امامؑ کی طرف اور کہنے لگے۔ انحن نخلی عنک ولمّا نعذر الی اللہ فی
اداء حقّک اما واللہ حتیٰ اکسر فی صدورھم رمحی واضربھم
بسیفی ما ثبت قائمہ فی یدی ولا افارقک ولو لم یکن معی سلاح

(قاتلهم به لقد فتهم بالحجارة دونك حتی اموت معك.

"ہم آپکو چھوڑدیں بغیر اسکے کہ خدا کے یہاں آپکے حق کو ادا کرکے جوابدہی کا سامان کریں؟ یہ نہیں ہوسکتا خدا کی قسم میں ان دشمنوں سے نیزہ کے ساتھ جنگ کرونگا یہانتک کہ میرا نیزہ انکے سینوں میں ٹوٹ جائے اور تلوار لگاؤنگا جبتک کہ اسکا قبضہ میرے ہاتھ میں ٹھہر سکے اور آپ سے کسی طرح جدا نہونگا اگر ہتھیار نہ رہینگے کہ جس سے جنگ کروں تو میں انھیں پتھر مارونگا۔ اور آپ کی حمایت کرونگا یہانتک کہ آپکے قدموں پر اس جان کو نثار کروں"۔

سعد ابن عبداللہ حنفی نے عرض کی۔ واللہ لانخلیك حتی یعلم اللہ انا قد حفظنا غیبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فیك واللہ لو علمت انی اقتل ثم احیا ثم احرق حیا ثم اذر یفعل ذلك بی سبعین مرۃ ما فارقتك حتی القی حمامی دونك فکیف لا افعل ذلك وانما ھی قتلۃ واحدۃ ثم ھی الکرامۃ التی لا انقضاء لھا ابدا

"خدا کی قسم ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑینگے جب تک کہ خدا کی بارگاہ میں یہ ثابت نہ ہوجائے کہ ہم نے رسالتمآب کے غائبانہ حق کو آپکے بارے میں ادا کردیا۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم کہ میں قتل ہونگا۔ پھر زندہ کیا جاؤں گا پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں گا۔ پھر میری خاک ہوا میں منتشر کیجائے گی اور ایسا ہی میرے ساتھ ستر مرتبہ ہوگا تب بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں جبتک

کہ آخری موت مجھے آپ کے قدموں پر نہ آئے بھر جہ جائیکہ یہ تو ایک دفعہ قتل ہو جاتا ہے، اور اسکے بعد وہ عزت دائمی ہے جو کبھی ختم ہونیوالی نہیں؟

زہیر بن قین نے بھی کھڑے ہو کر ایسی ہی تقریر کی۔ انھوں نے کہا۔

واللہ لوددت انی قتلت ثم نشرت ثم قتلت حتیٰ اقتل کذا الف قتلۃ وان اللہ یدفع بذلک القتل عن نفسک وعن انفس ھولاء الفتیۃ من اھل بیتک۔

"خدا کی قسم میری تو یہ آرزو ہے کہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ ہوں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ یونہی ہزار مرتبہ میرے ساتھ سلوک ہو لیکن کسی طرح آپ کی اور آپکے اعزا و اقارب ان ہاشمی جوانوں کی جان بچ جائے۔ جو آپ کے ساتھ ہیں"

دیگر اصحاب نے بھی ملتے جلتے الفاظ میں اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا اور سب نے متفق اللہجہ کہا۔

واللہ لا نفارقک ولکن انفسنا لک الفداء نفیک بنحورنا وجباھنا وایدینا فاذا نحن قتلنا کنا وفینا وقضینا ما علینا

"ہم آپ سے جدا نہیں ہوں گے، بلکہ اپنی جان آپ پر فدا کریں گے اپنے سینہ "سر" بازو، تمام اعضا و جوارح کو آپ کی سپر بنائیں گے بے شک جب ہم مر جائیں تو پھر سمجھیں گے کہ ہم نے وفاداری سے کام لیا۔

اور جو ہمارا فرض تھا اسکو ادا کر دیا" (۱)

مجمع منتشر ہو گیا۔ ہر ایک ساتھی کے دل میں کسی قسم کے خوف و دہشت، ہراس کے بجائے وہ قوت، وہ مسرت بھی کہ دنیا کے تمام مشکلات ہیچ نظر آرہے تھے، اور صرف جانِ زہراؑ کے اوپر اپنی جان نثار کر دینے کی فکر تھی۔ بے شک، امام حسینؑ نے اس مجمع میں ایک مبہم انداز سے اپنی شہادت کی خبر دی تھی، اور امام زین العابدینؑ نے اس واقعہ کا مشاہدہ بھی کیا تھا۔ لیکن جناب زینب سلام اللہ علیہا یا کسی شخص کا مخدرات عصمت میں سے اُن گفتگوؤں کے اوپر مطلع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اسکے قبل سہ پہر کو صرف امامؑ نے ایک خواب جناب زینبؑ سے بیان کر دیا تھا تو ہم نے دیکھا کہ جناب زینب کی کیا حالت ہوئی۔ جناب زینب ثبات و استقلال کا مجسمہ ضرور تھیں لیکن مصیبت پڑ چکنے کے بعد۔ اسکے ساتھ وہ حسین بن علیؑ اپنے بھائی کو اپنی جان و روح سے زیادہ عزیز بھی رکھنے والی تھیں اور اُن کی شہادت کا خیال بھی لانے سے اپنے دل کے پاش پاش ہونیکا احساس کرتی تھیں۔

لیکن ایک موقع ایسا آگیا کہ زینبؑ نے کسی قدر غیر مبہم طریقہ سے حسینؑ کی زبانی اُن کی شہادت کی خبر سُن لی، اور اُسکا جو کچھ اثر ہوا اسکو تاریخ

---

(۱) طبری ج ۶ ص ۲۳۸ - ۲۳۹

نے ٹوٹی پھوٹی لفظوں میں ہم تک پہونچانے کی کوشش کی ہے۔

حضرت ایک تنہا خیمہ میں اپنی تلوار کی صیقل کرنے میں مصروف تھے۔

اور زینب بیمار بھتیجے سید سجاد کی تیمارداری کر رہی تھیں۔

ایک مرتبہ امامؑ کی زبان پر یہ اشعار جاری ہو گئے۔

یا دهر افٍ لك من خليل — كم لك بالاشراق والاصيل

من صاحب او طالب قتيل — والدهر لا تقنع بالبديل

وانما الامر الى الجليل — وكل حي سالك السبيل

"اے زمانہ۔ اُف۔ تو کیسا انسان کا رفیق حیات ہے۔ تیری صبح و شام میں کتنے ساتھی چھوٹتے اور آرزو مندِ مقصد اپنی جان سے گذرتے ہیں۔ زمانہ اس امر میں کوئی معاوضہ بھی قبول نہیں کرتا۔ آخری فیصلہ صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، اور ہر ذیحیات کو بہر حال اسی راستہ پر گذرنا ہے۔"

حضرت نے یہ اشعار ایک دفعہ نہیں بلکہ دو تین بار دُہرائے۔

ایک ذکی الحس معنی شناس انسان ان اشعار کے صرف یہی معنی سمجھ سکتا ہے جو اُن سے سمجھے گئے۔ امام زین العابدینؑ بیماری کے عالم میں تھے، اُنکے کان میں بھی یہ آواز گئی۔ مگر مرد کا سکون و اطمینان عورت کی فطرت سے قدرۃً مختلف ہوتا ہے۔ آپ سمجھے کہ بے شک مصیبت کا پہاڑ سر پر آ گیا ہے، اور اسلئے گریہ کا طوفان امنڈ اٹھا اور سینہ کی فضا تنگ بھی

ہوئی، لیکن آپ نے اُس کو ضبط کر لیا اور خاموشی کے نقشے کو بدلنے نہ دیا۔ مگر جناب زینبؑ جسینؑ کی زندگی کو اپنا کعبۂ حاجات اور قبلۂ مراد سمجھنے والی زینب۔ وہ اس ہنگامی اثر کا دیر تک مقابلہ نہیں کر سکیں۔ انھوں نے اس آواز کو سُنا اور بے تحاشا اپنی جگہ سے اُٹھیں۔ نہ کپڑوں کا خیال، نہ چادر کا ہوش۔ کپڑے زمین پر کھنچ رہے تھے، اور چادر سر پر سے ہٹی ہوئی تھی۔ قریبی خیمہ میں جہاں امام حسینؑ تشریف رکھتے تھے گئیں۔ امام کے قریب پہونچیں اور بلند آواز سے کہا۔

واثکلاہ لیت للموت اعدمنی الحیوۃ الیوم ماتت فاطمۃ امی وعلی ابی وحسن اخی یاخلیفۃ الماضی وثمال الباقی۔

"ہائے میری لاوارثی! کاش موت نے میری زندگی ختم کر دی ہوتی۔ آج میں سمجھی کہ میری ماں فاطمہ زہرا دنیا سے رخصت ہوئیں، میرے باپ علی مرتضیٰؑ نے انتقال کیا اور میرے بھائی حسن مجتبیٰؑ مر گئے۔ اے گذشتہ ہر سہ بزرگ کے یادگار اور باقیماندہ افراد کے سہارے!!

امام حسینؑ نے نظر اُٹھا کر دیکھا، فرمایا

"میری عزیز بہن یہ کیا؟ تمھارے صبر و سکون پر وقتی تاثرات کا اس حد پر غلبہ! نہیں ہرگز نہیں۔

جناب زینبؑ نے کہا۔

بابی انت وامی یا ابا عبد اللہ استقتلت نفسی فداک۔

"میرے ماں باپ آپ پر سے نثار کیا آپ نے اپنے تئیں قتل ہونے کے سپرد کرنا طے کر لیا؟"۔

اس سوال پر امام کی آنکھوں میں بھی آنسو ڈبڈبا آئے۔ عرب کی ایک مثل پڑھکر حضرت نے اسکا معنی خیز جواب دیا۔ فرمایا۔

لو ترک القطا لیلا لنام۔

یعنی اپنے بس کی بات تھوڑی ہے مجبوری جو کچھ کرائے، اُسے برداشت کرنا ضروری ہے۔

جناب زینب کا دل اب بالکل شگفتہ ہو چکا تھا۔ امیدوں کی دنیا ویران تھی اور تباہی و بربادی کا پورا مرقع سامنے۔ آپ نے کہا۔

یا ویلتا افتغصب نفسک اغتصابا فذلک اقرح لقلبی واشد علی نفسی۔

"ہائے غضب! تو کیا آپ کی زندگی ہم سے زبردستی چھین لیجائے گی۔ اس سے بڑھ کے میرے لئے دلخراش اور سخت مصیبت ناک کیا ہو سکتا ہے"۔

یہ کہتے کہتے ہاتھ اپنے رخساروں تک پہونچے اور پھر گریبان چاک۔ غش کھا کے گر پڑیں۔ امامؑ اپنی جگہ سے اُٹھے۔ پانی بہن کے چہرہ پر چھڑکا اور ہوش میں لائے۔ فرمایا۔

یا اخیۃ اتقی اللہ وتعزی بعزاء اللہ واعلمی ان اھل الارض یموتون وان اھل السماء لا یبقون وان کل شیئی ھالک الا وجہ اللہ الذی خلق الارض بقدرتہ ویبعث الخلق فیعودون وھو فرد وحدہ ابی خیر منی وامی خیر منی و اخی خیر منی ولی ولھم ولکل مسلم برسول اللہ اسوۃ۔

"اے میری عزیز بہن! خدا کا خیال کرو اور اُسکے پسندیدہ صبر کیساتھ تسلی حاصل کرو یقین جانو کہ زمین والے سب ہی ایکدن فنا ہوں گے۔ اور آسمان والے بھی ہمیشہ باقی نہیں رہیں گے۔ ہر شئے فنا ہونے والی ہے سوائے اُس ذات الٰہی کے جس نے زمین و آسمان کو اپنی قدرت سے خلق کیا، اور اس تمام مخلوق کو دوبارہ پیدا کریگا کہ اُسکی طرف پھر رجوع کریں اور وہ یگانہ اور ایک اکیلا ہے۔ میرے باپ مجھ سے بہتر تھے۔ وہ نہیں رہے، اور میری ماں بھی مجھ سے بہتر تھیں، وہ باقی نہیں رہیں۔ میرے بھائی بھی مجھ سے یقیناً بہتر تھے، اور وہ بھی دنیا سے گذر گئے، اور پھر میرے اور ان کے اور ہر مسلمان کے لئے رسالتمآبؐ کی مثال موجود ہے کہ حضرت کی ذات سب سے اعلیٰ وارفع تھی اور وہ اس دنیا میں باقی نہیں رہی۔

اسی طرح کے الفاظ سے حضرت نے اپنی بہن کو دلاسا دیا۔ نفسی جذبات کے واقف جانتے ہیں کہ اس طرح کی تسلیاں غم کی آگ کو فرو

نہیں کرتیں، اور نہ مصیبت کے بار کو ہلکا کرتی ہیں۔ لیکن اس آگ کے شعلوں کو کم کرکے اندر ہی اندر گھٹنے پر مجبور کرتی اور بار کے وزن سے کراہ کی آواز کو موقوف کر دیتی ہیں۔ درحقیقت ایسی تسلیاں امیدوں کا آخری رشتہ بھی قطع کرکے مایوسی والی راحت پیدا کر دیتی ہیں۔

امام اسکے خلاف دوسرا طریقہ کوئی تسلی کا اختیار کر بھی نہیں سکتے تھے۔ یعنی دوسرا طریقہ ایک یہی ہو سکتا ہے کہ آپ خوش آیند توقعات قائم کرکے زینبؑ کے دل کو سہارا دیتے۔ مثلاً گھبراؤ نہیں، دوستوں اور ناصروں کی امداد پہونچنے کی اُمید ہے، میرے ساتھی بہادر ہیں، وہ خود اس فوج کے سیلاب کو بڑی حد تک روکنے میں کامیاب ہونگے۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ طریقہ اختیار کرنا ایک طرف امام کی صداقت، حق گوئی سے دور اور دوسری طرف وقتی حیثیت سے تسکین دہ ضرور، مگر جب بعد میں صورت حال دگرگوں ہوا اور توقعات ختم تو مصیبت کے اثر کو ہزار گنا زیادہ کر دینے کا باعث ہے۔ پھر اشفقت امام کی زبان بھی نہ ہوتی جو اس قسم کے معجزانہ مواعظ سے تسکین کا سبب بنتی۔

زینبؑ پیغمبر اسلام کی نواسی، حکیم الاسلام امیرالمومنینؑ کی بیٹی اور فاطمہ زہراؑ ایسی معصومہ کی گود کی پلی تھیں۔ ان نصائح اور حکیمانہ حقائق کی موجودگی میں اُن کی زبان سے اُف نکلجاتی پھر؟ ناممکن۔ امامؑ نے اس

وقتی اثر کو دیرپا بنانا چاہا، اور بعد کیلئے بھی اُس سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ فرمایا

یااخیۃ انی اقسم علیک فابری قسمی لا تشقی علیّ

ولا تخمشی علی وجھا ولا تدعی علیّ بالویل والثبور اذا انا ھلکت

"اے میری عزیز بہن! میں تمھیں قسم دیتا ہوں۔ دیکھو میری قسم پوری ضرور کرنا کہ میرے غم میں گریبان نہ پھاڑنا۔ چہرہ پر خراش نہ دینا، اور "واویلاہ واثبوراہ" کہکے نوحہ نکرنا جب میں دنیا سے اُٹھ جاؤں"۔

زینبؑ اب یہ سب کچھ سُن رہی تھیں جسکا تصور بھی وہ پہلے نہ کر سکتی تھیں، اور خاموش تھیں۔ گویا ایک سکتہ کا عالم اُن پر طاری تھا۔ حضرت اسکے بعد اُٹھے، اور خود زینب کا ہاتھ پکڑا، اُٹھاکر بازو تھامے ہوئے لے آئے اور سید سجّاد کے پاس بٹھا دیا۔ گویا مطلب یہ تھا کہ بھتیجا اکیلا اور بغیر تیماردار کے ہے، اب اپنا دل ادھر متوجہ کرو، اور ان باتوں کو بھولجاؤ۔

یہاں کے بعد حضرت بیرون خیمہ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لیگئے، اُنھیں حکم دیا کہ خیمے پاس پاس لگالیں، اور طنابیں خیموں کی باہم ایکدوسرے میں ملادیں، اور پشت خیمہ پر ایک خندق کھودکر اسمیں خشک لکڑیاں اور جنگل کی گھانس پات جمع کر دیں، تاکہ کل جب دشمن سے مقابلہ ہو تو اس خندق میں آگ روشن کردیجائے۔ مطلب یہ تھا کہ دشمن سے مقابلہ صرف ایکطرف سے کیا جاسکے اور انھیں دوسری جانب حملہ کرنیکی جرأت نہو۔

نواں باب

عاشور کی صبح

یقین ہے کہ آج کربلا کے میدان میں کوئی آنکھ رات کو نہیں سوئی ہوگی۔

اس طرف عبادت خدا، تسبیح و تہلیل، قعود و قیام، بیبیوں میں اضطراب، گھبراہٹ، بےچینی۔ اور اُس طرف جنگ کی تیاری، اسلحہ کی درستی، تدابیر جنگ میں مشورے اور صبح ہونے کا انتظار۔ رات کی مہلت ہی معلوم نہیں کس درجہ طبیعت پر بار تھی۔ اب صبح ہوتے توقف کب ممکن تھا؟

پیغمبر اسلام کے جگر کا خون بہانے والے اپنے تئیں مسلمان سمجھ رہے تھے۔ انھوں نے صبح کی نماز پڑھی اور تعقیبات کے طور پر نبی زادے کا خون بہانے میدان میں آگئے۔

فرزند رسولؐ نے بھی اپنے اصحاب کو مرتب کیا اور نماز صبح پڑھائی تاریخ کی تصریح کے مطابق یہ بتیس[۳۲] سوار اور چالیس پیادے سے زیادہ نہیں تھے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۱)

اس چھوٹے سے لشکر کی ترتیب دی گئی۔ میمنہ پر زہیر بن قین۔ میسرہ پر حبیب بن مظاہر، علمدار عباس بن علیؑ۔ خیمے لشکر کے پس پشت اور خیموں کے پیچھے خندق میں آگ۔

یقیناً تاریخ ایک ایسے سپہ سالار کو پیش کرنے سے قاصر ہے جس نے ایسی چھوٹی سی جماعت کو کم از کم بیس تیس ہزار کی فوج کے مقابلہ میں جنگ کیلئے کھڑا کیا ہو، اور کئی گھنٹے کی مدت تک اُس سے مقابلہ کراتا رہا ہو۔

عمر سعد نے بھی اپنی فوج کو ترتیب دیا۔ میمنہ پر عمرو بن حجاج زبیدی۔ میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن۔ سواروں کا سردار عزرہ بن قیس احمسی۔ پیادوں کا افسر شبث بن ربعی یربوعی، اور علم اپنے غلام درید کے سپرد کیا۔

عام انسانی دل و جگر کے معیار پر اسوقت اصحاب حسینؑ پر عجب ہراس کا عالم ہوگا۔ سامنے نظر جاتی ہوگی تو دشمن کی فوج کا عظیم سمندر موجیں لیتا ہوا نظر آتا ہوگا، اور اپنی ہستی اُسمیں حباب کی صورت نظر آرہی ہوگی۔ مگر نہیں۔ ایسا نہیں تھا۔ اُن کے دل اطمینان سے معمور تھے۔ انکے سینوں میں خوشی اور مسرت کی لہریں تھیں، اور اُن کے چہروں پر فرحت و انبساط کی سُرخی تھی۔

وہ جیسے کبھی خوش نہیں تھے ویسے آج خوش نظر آرہے تھے، جیسی پُر مذاق باتیں کبھی نہ کرتے تھے، آج کر رہے تھے۔

امامؑ ایک خیمہ میں آداب و رسوم طہارت ادا کرنے تشریف لیگئے، اور عبدالرحمٰن بن عبد ربہ انصاری و بریر بن خضیر ہمدانی، دونوں بزرگ دروازہ پر بیٹھے، اس انتظار میں کہ حضرت باہر تشریف لائیں تو یہ دونوں آدمی خیمہ میں جائیں۔ دونوں آدمی دو بے تکلف دوستوں کی طرح اس طرح ملے بیٹھے تھے کہ شانے سے شانہ لڑ رہا تھا اور آپسمیں لطف آمیز جھگڑا ہو رہا تھا کہ حضرت کے باہر تشریف لانے کے بعد کون پہلے خیمہ میں داخل ہو۔ بریر عبدالرحمٰن کے ساتھ مذاق کی باتیں کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔

دعنا فواللہ ما ھذہ لساعۃ باطل "چھوڑو ان باتوں کو یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے!!

بریر نے کہا:۔

واللہ لقد علم قومی انی ما احببت الباطل شاباً ولا کھلا ولکن واللہ انی لمستبشر بما نحن لاقون واللہ ان بیننا و بین الحور العین الا ان یمیل ھؤلآء علینا باسیافھم ولوددت انھم قد مالوا علینا باسیافھم۔

"خدا کی قسم میری قوم و قبیلہ والے اس بات کو جانتے ہیں کہ میں نے جوانی، بڑھاپے میں کبھی اس قسم کی باتوں کو پسند نہیں کیا۔ مگر مجھے تو

اسوقت اپنے مستقبل کی وجہ سے خوشی انتہا کی ہے۔ خدا کی قسم ہمارے اور حوران جنت کے درمیان بس اتنا فاصلہ ہے کہ یہ لوگ تلواریں لیکر ہم پر ٹوٹ پڑیں، اور مجھے تو تمنا ہے کہ کسی طرح جلد یہ وقت آئے کہ انکی تلواریں ہم پر پڑنے لگیں"۔

خوش ہوں بریر اور خوب خوش ہوں۔ جلنے والے یونہی خوش ہوتے ہیں اور حق پر گذرنیوالوں کو اسی صورت سے مسرور ہونا چاہیے۔ وہ خوش ہو رہے ہیں مگر دنیا کی آنکھوں کو اشکبار کئے جا رہے ہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اہل دل کی چشم سے سرشک عزا کے چشمے بہائے جا رہے ہیں جنکی طغیانی کبھی کم نہیں اور جنکی روانی میں کبھی کمزوری پیدا نہیں ہو سکتی۔

بے شک یہ اپنی حقّانیت پر اعتماد اور اُخروی زندگی کے کامل یقین کا نتیجہ ہے۔ یہی چیز کمزور دلمیں طاقت پیدا کرتی اور مایوسیوں کی ظلمت میں اُمید کی شمعیں روشن کرتی ہے۔

امام حسینؑ کے سامنے فوج مخالف کے پرے جم چکے تھے اور صف بندی و ترتیب قائم ہو چکی تھی۔ آپ نے اپنے ہاتھ درگاہ خدا میں اُٹھائے، اور یہ دعا پڑھی۔ یقیناً موازنہ کرنا چاہیے علیسیٰ کی آواز سے، جو اناجیل کی نقل کے مطابق صلیب پر بلند ہوئی تھی۔

ایلی ایلی لما سبقتنی "اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

اور نبی زادے کی دعا میں جو اس سیلاب مصیبت کے اندر لبوں پر جاری تھی۔

اللھمّ انت ثقتی فی کل کرب	خداوند تو میرا سہارا ہے ہر تکلیف
ورجائی فی کل شدۃ و	میں اور میرا قبلۂ امید ہے ہر سختی میں
انت لی فی کلّ امر نزل بی	اور تجھی پر مجھے ہر واقعہ میں جو مجھ پر
ثقۃ وعدّۃ کم من ھمّ	پیش آئے بھروسا ہے۔ کتنے صدمے
یضعف فیہ الفؤاد وتقلّ	ایسے ہیں جنکے برداشت کرنے سے
فیہ الحیلۃ ویخذل فیہ	دل کمزور ثابت ہوتا اور حیلہ و تدبیر
الصّدیق ویشمت فیھا	کی راہیں بند نظر آتیں، دوست
العدّو انزلتہ بک وشکوتہ	اُن میں ساتھ چھوڑ دیتے اور دشمن
الیک رغبۃ منی الیک عمّن	اُنمیں طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں۔ میں
سواک ففرجتہ وکشفتہ	اُنکو تیری حضور میں پیش کرتا اور تجھسے
فانت ولی کلّ نعمۃ وصاحب	اُنکی شکایت کرتا ہوں اسلئے کہ میں تجھے
کلّ حسنۃ ومنتھی کل رغبۃ	چھوڑ کر کسی اور سے لو لگانا ہی نہیں

جانتا۔ تو اُس تکلیف کو دور کرتا اور اُسکا تدارک کر دیتا ہے۔ یقیناً تو ہی ہر نعمت کا مالک اور ہر احسان کا مرکز اور ہر مطلب کا آخری مرجع ہے۔"

فوج عمر سعد سامنے کی طرف صف بستہ تھی مگر اُسے کمینگاہوں، حملوں کے بہترین موقعوں کی فکر بہت زیادہ تھی، اسلئے فوج کے لوگ پشت خیام کی طرف بھی جاتے تھے کہ اُس طرف سے حملہ کا موقع ہے یا نہیں یہاں اُس طرف آگ شعلہ ور تھی جو اُس طرف سے حملہ کے خیال کو بالکل سرد کر دیتی تھی۔ اس ناکامی سے دلوں میں شعلوں کا بھڑکنا ضروری تھا اور جلے دل کے پھپھولے سخت کلامی اور زخم زبان کی صورت میں پھوٹے جاتے تھے۔ ایسے موقعوں پر اصحاب کو اشتعال کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ لیکن امام حسینؑ کی رواداری اصحاب کو مشتعل ہونے سے روکتی اور ابتدا ر جنگ کرنے سے باز رکھتی تھی۔

اُس موقع پر جب آگ بھڑک رہی تھی۔ ایک سوار سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق اُس طرف سے گذرا خیموں کے اوپر نظر ڈالی۔ چاروں طرف آگ شعلہ ور نظر آئی۔ اُس نے پکار کر امامؑ کو مخاطب کر کے کہا:۔ استعجلت النار فی الدنیا قبل یوم القیامۃ

"تم نے قیامت کے دن کے پہلے ہی اپنے لئے دنیا میں آگ کا سامان کر لیا"

معاذاللہ! فرزند رسولؐ سے یہ خطاب۔ حضرت نے اصحاب سے فرمایا یہ کون ہے؟ معلوم ہوتا ہے شمر بن ذی الجوشن ہے۔"

اصحاب نے عرض کیا "ہاں فرزند رسولؐ یہ وہی ہے"۔ حضرت نے فرمایا۔

انت اولی بھا صلیا۔ "جہنم کی آگ میں جلنے کا تو زیادہ مستحق ہے"۔

مسلم بن عوسجہ جو بہت ضعیف العمر تھے، مگر حملہ ایسا تھا کہ تمام اصحاب میں جوش پیدا ہو گیا تھا، انھوں نے کہا:

جعلت فداک الا ارمیہ بسھم فانہ قد امکننی ولیس یسقط سھم فالفاسق من اعظم الجبارین۔

"میری جان آپ پر فدا۔ اجازت ہوتی ہے کہ ایک تیر اسکو مار دوں؟ کیونکہ اسوقت یہ بالکل زد پر ہے تیر خطا نہیں کر سکتا، اور یہ آدمی فاسق و فاجر بہت بڑا ہے"۔

حضرت نے فرمایا لا ترمہ فانی اکرہ ان ابدأھم "نہیں ایسا نہ کرو، میں جنگ میں پہل نہیں کرنا چاہتا"۔

دونوں طرف کے لشکر خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ اب امام نے چاہا کہ اتمام حجت کر دیں۔ میدان جنگ کی سواری ہے فرس، مگر ابھی جنگ منظور نہیں اسلئے حضرت نے ناقہ طلب فرمایا صلح پسندی کا اظہار منظور تھا، ناقہ پر سوار ہوئے، قرآن منگوایا، اُسے اپنے سامنے رکھا پھر صفوف دشمن کے سامنے آئے۔ بلند آواز سے جو فوج کے اکثر حصہ تک پہونچ سکتی تھی، ارشاد فرمایا۔ ایھا الناس اسمعوا قولی ولا تعجلونی حتیٰ اعظکم بما الحق لکم علی وحتیٰ اعتذر الیکم من مقدمی علیکم فان قبلتم عذری وصدقتم قولی و

اعطیتمونی النصف کنتم بذلك اسعد ولم یکن لکم علیّ سبیل و

ان تقبلوا منّی العذر ولم تعطوا النصف من انفسکم فاجمعوا

امرکم وشرکاءکم ثمّ لا یکن امرکم علیکم غمة ثمّ اقضوا الیّ ولا تنظرون

انّ ولییّ اللہ الذی نزّل الکتاب وھو یتولی الصالحین۔

"صاحبو! میری بات سنو، جلدی سے کام نہ لو یہانتک کہ میں جیسا کہ میرے

ذمہ تمھارا حق ہے، تم کو نصیحت کا فرض ادا کردوں اور میں تمھارے سامنے اپنا

عذر پیش کردوں کہ میں تمھاری جانب کیوں آیا؟ اگر تم نے میرے عذر کو تسلیم کر لیا،

اور میری بات کو سچا سمجھ لیا اور میرے ساتھ انصاف سے کام لیا تو تم خوش قسمت

ثابت ہوگے، اور تمھیں معلوم ہوگا کہ تمھیں میری مخالفت کا کوئی راستہ نہیں ہے

اور اگر تم نے میرے عذر کو قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو شوق سے جمع کرلو

اپنے شیرازہ کو اور اکٹھا کرلو جس جس کو چاہو اپنے ہمخیالوں کو اور کوئی کوشش اٹھا

نہ رکھو، پھر پوری طاقت سے میرا خاتمہ کردو اور مجھے ایک دم کی بھی مہلت نہ دو

میرا مددگار بس خدا ہے جس نے قرآن کو نازل کیا، اور وہی اچھے اعمال والوں کا

بس مددگار ہے"۔

آواز حضرت کی خیمہ میں پہونچی تو مخدرات عصمت سے گریہ کا شور بلند ہوا۔

حضرت نے جناب عباسؑ و علی اکبرؑ کو بھیجا کہ انھیں خاموش کرو۔ رونے کا وقت

زیادہ بعد کو آئے گا۔

جب آوازِ گریہ کی موقوف ہوئی تو حضرت نے حمدِ الٰہی ادا فرمائی اور خدا کے اوصاف اُسکی ذاتِ اقدس کے لحاظ سے ذکر فرمائے۔ پھر حضرت رسالتمآب پر صلوٰۃ کا تذکرہ کیا، اور حضرت کے اوصاف و فضائل کو تھوڑی دیر تک بیان فرماتے رہے۔ راوی کا بیان ہے۔ فواللّٰہ ما سمعت متکلماً قط قبلہ ولا بعدہ ابلغ فی منطق منہ۔

"میں نے حضرت کے قبل اور بعد کوئی متکلم نہیں دیکھا جو آپ سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا مالک ہو"۔

حمد و صلوٰۃ ادا کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا:۔

انسبونی فانظروا من انا ثمّ ارجعوا الی انفسکم وعاتبوھا فانظروا ھل یحلّ لکم قتلی وانتھاک حرمتی۔

"ذرا میرے نام و نسب پر غور کرو۔ دیکھو تو میں کون ہوں، پھر اپنے گریبانوں میں مُنھ ڈالو، غور تو کرو کہ تمھارے لئے میرے خون کا بہانا اور میری ہتکِ حرمت کرنا جائز ہے؟

الست ابن بنت نبیکم وابن وصیہ وابن عمّہ واول المومنین باللّٰہ والمصدق لرسولہ بما جاء بہ من عند ربہ۔

"کیا میں نہیں ہوں تمھارے نبی کا نواسا، اور اُن کے وصی اُنکے چچازاد بھائی اور اُن کے اوپر سب سے پہلے ایمان لانیوالے اور تصدیق کرنیوالے کا فرزند؟"

اولیس حمزۃ سیّد الشہداء عمّ ابی اولیس جعفر الشہید الطیار ذو الجناحین عمّی۔

"کیا حمزہ جو "سید الشہدا" کا لقب رکھتے ہیں، وہ میرے ہی باپ کے چچا نہیں تھے۔ اور کیا جعفر طیار جنھیں خدا کی طرف سے دو پر پرواز کیلئے عطا ہوئے وہ میرے ہی چچا نہیں تھے؟"

اولم یبلغکم قول مستفیض فیکم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال لی ولاخی ھذان سیّدا شباب اھل الجنۃ۔

"کیا یہ حدیث تمھارے گوش زد نہیں ہوئی جو زبانزد خلائق ہے کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ دونوں جوانان اہل جنت کے سردار ہیں"

فان صدّقتمونی بما اقول وھو الحق واللہ ما تعمدت کذبا منذ علمت ان اللہ یمقت علیہ اھلہ ویضرّبہ من اختلقہ وان کذّبتمونی فان فیکم من ان سألتموہ عن ذالک اخبرکم سلوا جابر بن عبد اللہ الانصاری او ابا سعید الخدری او سھل بن سعد الساعدی وزید بن ارقم او انس بن مالک سمعوا ھذہ المقالۃ من رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم لی ولاخی افما فی ھذا حاجز لکم عن سفک دمی۔

"اگر تم میری بات کو سچ سمجھتے ہو، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ سچ ہی ہے اسلئے کہ میں جب سے سن تمیز کو پہونچا کبھی میں نے جان بوجھ کر غلط بات نہیں کہی تو خیر اور اگر تم میری بات کو غلط سمجھو تو اسلامی دنیا میں ابھی ہیں ایسے اشخاص جن سے اگر تم پوچھو تو وہ تبلادیں گے، پوچھ لو جابر بن عبداللہ انصاری سے، ابو سعید خذری سے، سھل بن سعد ساعدی سے، زید بن ارقم سے، انس بن مالک سے، وہ تمھیں تبلائیں گے کہ انھوں نے رسالتمآبؐ سے اپنے کانوں سے اس حدیث کو سُنا ہے۔ پھر کیا یہ تمھارے لئے میری خونریزی سے روکنے کیلئے کافی نہیں ہے؟"

شمر نے کلام قطع کیا اور بول اٹھا کہ

ھو لعبد اللہ علیٰ حرف ان کان یدری ما تقول۔

"میں خدا کی عبادت ایک حرف پر کرتا ہوں، اگر سمجھ میں میری آتا ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو" (قرآن میں منافقین کی نسبت ہے۔ ومن الناس من یعبد اللہ علیٰ حرف۔ شمر کا مقصود ہے کہ میں مسلمان نہیں منافق ہوں، اگر کچھ سمجھتا ہوں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"۔

حبیب بن مظاہر نے کہا۔ واللہ انی لا راک تعبد اللہ علیٰ سبعین حرفا وانا اشھد انک صادق ما تدری ما یقول قد طبع اللہ علیٰ قلبک۔

"بخدا میں جانتا ہوں کہ تو خدا کی عبادت ستر حرفوں پر کرتا ہے (یعنی انتہائی مکار اور عبادت کے معاملہ میں فریبی ہے۔ ایک بات پر قائم نہیں رہتا ہے)۔ اور میں گواہی اسکی بھی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے بتیری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت کیا کہہ رہے ہیں، خدا نے تیرے دل پر مہر لگا دی ہے"

امامؑ نے پھر سلسلہ تقریر جاری کیا، فرمایا۔ فان کنتم فی شک من ھذا القول فتشکون انی ابن بنت نبیکم فواللّٰہ ما بین المشرق والمغرب ابن بنت نبی غیری منکم ولا من غیرکم انا ابن بنت نبیکم خاصۃ

"اگر تمھیں اس حدیث کی صحت میں پھر بھی شک ہے، تو کیا اسمیں بھی شک ہے کہ میں تمھارے رسول کا نواسا ہوں؟ خدا کی قسم مشرق و مغرب عالم میں کوئی نبی کا نواسا میرے سوا موجود نہیں ہے۔ نہ تم میں اور نہ تمھارے سوا دوسرے ملل و اقوام میں، بس میں ہوں جو خاص تمھارے نبی کا نواسا ہوں"

اخبرونی اتطلبونی بقتیل منکم قتلتہ او مال لکم استھلکتہ او بقصاص من جراحۃ۔

"ذرا بتاؤ تو سہی کہ میرے قتل پر کیوں آمادہ ہوئے ہو؟ کیا کسی اپنے مقتول کا بدلا لینا چاہتے ہو جسے میں نے قتل کیا ہے؟ یا کسی اپنے مال کا مطالبہ رکھتے ہو جسے میں نے تلف کر دیا ہے؟ یا کسی زخم کا قصاص چاہتے ہو

ایک خاموشی سی چھائی رہی اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔

حضرت نے خاص طور سے شبث بن ربعی۔ حجار بن الجبر۔ قیس بن اشعث یزید بن حارث کو آواز دی (جو حضرت کو ایک خصوصی مکتوب تحریر کر چکے تھے) فرمایا۔

الم تکتبوا الیّ ان قد اینعت الثمار واخضرّ الجناب وطمت الاٰجام وانّما تقدم علی جند لک مجنّد فاقبل۔

"کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ میوے پختہ و رسیدہ، اور کھیتیاں سرسبز و شاداب اور چشمے لبریز و پایاب اور لشکر آپ کی مدد کیلئے تیار ہیں؟"

ان لوگوں نے جواب دیا کہ "ہم نے ایسا کوئی خط نہیں لکھا"!

حضرت نے فرمایا۔ سبحان اللہ بلیٰ واللہ لقد فعلتم "کیوں نہیں، خدا کی قسم تم نے لکھا تھا اور ضرور لکھا تھا"!

پھر آپ عام لشکر کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

ایھا الناس اذکرھتمونی فدعونی انصرف عنکم الیٰ مامنی من الارض۔

"اگر تم لوگوں کو میرا آنا ناپسند ہے تو مجھے واپس چلا جانے دو کسی جگہ جہاں میں امن و امان سے زندگی گذار سکوں"!

یہ وہی بات ہے جو حضرت نے حُر کی فوج کے سامنے راہ میں ارشاد فرمائی

تھی۔ اور عمر سعد سے کربلا پہونچنے کے بعد کہلوائی، اور وہی آج بھی عام فوج سے مخاطب ہو کر پیش کر رہے ہیں۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ آپ کا مسلک ایک تھا جو شروع سے پیش نظر تھا اور آخر تک قائم رہا۔ آپ کے مطالبات میں کسی قسم کی تبدیلی اور آراء و خیالات میں کسی طرح کا تغیر نہیں ہوا۔ وہ جیسا کہ ہم نے "اسوہ حسینی" کے بیانات میں ذکر کیا ہے "امن و امان" اور "صلح پسندی" کو سب سے مقدم سمجھتے تھے، جہاں تک کہ حمایت باطل کا سوال نہ پیدا ہو۔ اور حمایت باطل کیلئے کسی طرح تیار نہ تھے چاہے اپنی جان چلی جائے۔

قیس بن اشعث (جو محمد بن اشعث کا بھائی ہے۔ اسکی بہن جعدہ بنت اشعث امام حسنؑ کی زہر خورانی کی ذمہ دار، اور محمد بن اشعث حضرت مسلم کے قتل کا ذمہ دار تھا)۔ اس نے پکار کر کہا:۔

"آپ یزید کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے؟"

حضرت نے فرمایا:۔

انت اخوا خیک اترید ان یطلبک بنو هاشم باکثر من دم مسلم بن عقیل لا واللّٰہ لا اعطیھم بیدی اعطاء الذلیل ولا اقرّ اقرار العبید۔

"کیوں نہو! تو اپنے بھائی محمد بن اشعث ہی کا تو بھائی ہے! کیا تو اتنے کو کافی نہیں سمجھا کہ مسلم بن عقیل کے خون کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہے۔ خدا کی قسم

یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ذلت کے ساتھ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں اور غلامانہ زندگی کا اپنے لئے اقرار کرلوں، ہرگز نہیں۔ یہ ناممکن ہے"۔

حجت تمام ہو چکی۔ فوج مخالف کا اثر پذیر ہونا پہلے ہی سے متوقع نہیں تھا اپنا فرض پورا کرنا تھا اور وہ پورا ہو چکا۔ حضرت نے ناقہ کو بٹھا دیا۔ اتر پڑے اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اسے باندھ دو۔

اب اصحاب کی باری آئی۔ انھوں نے بھی چاہا کہ فوج مخالف کو اپنی امکانی طاقت بھر نصیحت کر دیں۔ امام حسینؑ کے پرجوش ساتھی زہیر بن قین، گھوڑے پر سوار، سر سے پاؤں تک لوہے میں غرقاب صف سے باہر نکلے۔ پکار کر کہا:-

یا اهل الکوفة نذار لکم من عذاب الله نذار ان حقا علی المسلم نصیحة اخیه المسلم ونحن حتی الان اخوة وعلی دین واحد وملة واحدة مالم یقع بیننا وبینکم السیف وانتم للنصیحة منا اهل فاذا وقع السیف انقطعت العصمة وکنا امة وانتم امة۔

"کوفہ والو! ڈرو خدا کے عذاب سے ڈرو۔ ایک مسلمان کے ذمہ اس کے اسلامی بھائی کے حق میں فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اُسے نصیحت کرے۔ ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ابھی تک ایک ہی مذہب اسلام کے پیرو، اور ایک ہی ملت نبویہ کے تابع ہیں، جب تک کہ ہمارے تمھارے درمیان

تلوار نہیں کھنچ گئی ہے، اور تم ابھی ہماری طرف سے نصیحت کے مستحق ہو۔ بے شک جب تلوار چلنے لگے گی، اسوقت اسلامی رشتہ داری ختم، اور ہم ایک امت اور تم دوسری امت ہو جاؤ گے۔"

ان اللہ قد ابتلانا وایاکم بذریۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لینظر ما نحن وانتم عاملون انا ندعوکم الی نصرھم وخذلان الطاغیۃ عبید اللہ بن زیاد فانکم لا تدرکون منھما الا بسوء عمر سلطانھما کلہ لیسملان اعینکم ویقطعان ایدیکم وارجلکم ویمثلان بکم ویرفعانکم علی جذوع النخل ویقتلان اماثلکم وقراءکم امثال حجر بن عدی واصحابہ وھانی بن عروۃ واشباھہ۔

"یقیناً خدا نے ہماری اور تمھاری آزمائش کی ہے، اپنے نبی محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے ذریعہ سے تاکہ وہ دیکھے کہ ہم انکے ساتھ کیا کرتے ہیں، اور تم کیا سلوک اختیار کرتے ہو۔ ہم تم کو دعوت دیتے ہیں کہ انکی مدد کرو، اور عبید اللہ بن زیاد کا ساتھ چھوڑ دو۔ یزید اور ابن زیاد سے تم کو اُن کی تمام سلطنت کی عمر بھر سوائے بُرائی کرنے کے کوئی اچھا سلوک نظر نہ آئے گا۔ وہ تمھاری آنکھوں میں سلائیاں پھر واتے، تمھارے ہاتھ پاؤں قطع کرتے، اور تم کو مثلہ کرتے، تم کو سولیوں پر چڑھاتے اور تمھارے

اچھے اچھے حفاظ قرآن مثلاً حجر بن عدیؓ اور اُن کے ہمراہیان اور ہانی بن عروہ وغیرہ ایسے اشخاص کو قتل کرتے رہے ہیں۔"

کوفہ والے سلطنت کے ہواخواہ اور خوشامدی اشخاص نے زہیر کو بُرا کہنا شروع کیا، اور ابن زیاد کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے، اور کہا ہم اُسوقت تک دم نہ لیں گے جب تک تمہارے سردار اور اُنکے ساتھیوں کو قتل نہ کردیں یا گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس لیجائیں۔"

زہیر اسکے بعد بھی خاموش نہ ہوئے اور ہدایت کرتے رہے یہاں تک کہ شمر نے تیر لگایا اور کہا "بس خاموش، خدا تیری زبان کو خاموش کرے"۔

زہیر نے تیر کی کوئی پرواہ نہیں کی اور شمر سے مصروف کلام ہو گئے۔ شمر کے اس کہنے پر کہ دیکھو تھوڑی دیر میں تم اور تمہارے سردار سب قتل ہوا چاہتے ہیں۔ زہیر نے بڑی جگرداری اور قوت ایمانی کے ساتھ کہا۔

افبالموت تخوفنی فواللہ للموت معہ احب الیّ من الخلد معکم۔

"تو مجھے موت سے خوف دلاتا ہے۔ خدا کی قسم مرنا اُن کے ساتھ مجھے تم لوگوں کے ساتھ زندگی جاوید حاصل کرنے سے زیادہ محبوب ہے"!!

اسکے بعد پھر لشکر کی طرف مخاطب ہو گئے، اور کہا۔

"اے اللہ کے بندو! ایسے بندگان زر کے کہنے میں نہ آؤ۔ خدا کی قسم پیغمبر خدا کی شفاعت اُن لوگوں کو کبھی نصیب نہیں ہوسکتی جنھوں نے

پیغمبرِ خدا کی اولاد کا خون بہایا اور اُن کے مددگاروں کو قتل کیا ہو۔"

امام حسینؑ نے یہ دیکھ کر کہ باتوں کا جواب تیر سے مل رہا ہے اور اتمام حجت کا فرض ادا ہو چکا ہے، کسی سے پکار کر کہلوایا کہ

اقبل فلعمری لئن کان مؤمن آل فرعون نصح لقومہ و ابلغ فی الدعاء لقد نصحت ھٰؤلاء و ابلغت لو نفع النصح والابلاغ۔

"زہیر! واپس چلے آؤ۔ اگر مومن آلِ فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کر دی تھی اور اس فرض کو ادا کر دیا تھا، تو یقیناً تم بھی اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے اور تم نے نصیحت کے حق کو ادا کر دیا ہے۔ مگر نصیحت و تبلیغ کا کوئی فائدہ بھی تو ہو!"

اس آواز کو سُنکر زہیر واپس چلے آئے۔

اُن ہدایات کا، اُن مواعظ کا، ان نصیحتوں کا دشمن کی فوج پر اثر کیا ہوتا۔ محبت دنیا میں اندھی آنکھیں کسی چراغ کی روشنی سے فیضیاب ہونے پر تیار نہیں تھیں۔

بے شک حُر بن یزید ریاحی، جو امامؑ کا سدِ راہ ہوا تھا، اور گھیر کر کربلا لایا تھا، صلح پسندانہ طرزِ عمل اور حقیقت افروز بیانات و نصائح سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ وہ آج ضمیر کی ہدایت سے مجبور ہو گیا۔ عمر سعد کے پاس آیا اور کہا

امقاتل انت ھذا الرجل۔ "کیا تم ان سے واقعی جنگ کرو گے؟"

عمر سعد نے کہا۔ ای واللہ قتالا ایسرہ ان تسقط الرؤس و تطیح الایدی۔

"بے شک! خدا کی قسم ایسی سخت جنگ جس کا کم از کم نتیجہ یہ ہے کہ سروں کی بارش ہو، اور ہاتھ کٹ کٹ کر زمین پر گریں"

حُر نے کہا۔ افمالکم فی واحدۃ من الخصال التی عرض علیکم رضا۔

"کیا اتنے مطالبے جو حسینؑ نے پیش کئے، ان میں سے کوئی تم لوگوں کے نزدیک منظوری کے قابل نہیں ہے؟"

عمر سعد نے کہا۔ واللہ لوکان الامر الیّ لفعلت لکنّ امیرک قد ابیٰ ذالک۔

"خدا کی قسم اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا۔ لیکن کیا کروں کہ تمھارا حاکم (ابن زیاد) نہیں مانتا"

حُر نے یہ سُنکر کچھ گفتگو کرنا بیکار سمجھا، ہٹ کر ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ قرہ بن قیس ایک شخص حُر کے قبیلہ میں سے تھا (غالباً یہ وہی شخص ہے جو عمر سعد کا پیغام لیکر امام کی خدمت میں آیا تھا، اور حبیب بن مظاہر کے نصیحت کرنے پر اُس نے کہا تھا کہ میں جاکر جو پیغام لایا ہوں اُسکا جواب دیدوں تو پھر غور کرونگا)۔ وہ اسوقت حُر کے پاس تھا، حُر نے اُسکو اپنے پاس سے ٹالنا چاہا۔ کہا "قرہ! تم نے آج اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟"

اس نے کہا "نہیں"۔ کہا "تو پھر پلاؤ گے نہیں؟" قرہ کو احساس ہوا کہ حُر مجھ کو اپنے پاس سے ٹالنا چاہتے ہیں، اور شاید جنگ سے علیحدہ ہونا منظور ہے اور یہ اندیشہ ہے کہ میں مخبری نہ کروں۔

اس نے کہا کہ "اچھا جاتا ہوں، پانی پلائے لاتا ہوں"۔

قرہ بن قیس کا بیان تھا کہ اگر حُر مجھ سے یہ بتلا دیتے کہ میں امام حسینؑ کی طرف جا رہا ہوں تو میں بھی یقیناً اُن کے ساتھ ہو لیتا اور نکل جاتا۔

یہ کہنے کی باتیں ہیں اور خواہ مخواہ کے عذر ہیں، جو وقت نکلنے کے بعد پیش کئے جاتے ہیں! ورنہ حُر کے بے کہے ہوئے چلے جانے پر بھی قرہ کیلئے راستہ بند نہیں ہو گیا تھا، اور وہ جانا چاہتا تو چلا جاتا۔

بہر حال قرہ تو اس جگہ سے علیحدہ ہٹ گیا۔ حُر نے آہستہ آہستہ گھوڑا اپنا فوج امامؑ کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ مہاجر بن اوس جوانی کے قبیلہ کا ایک دوسرا شخص تھا اُس نے کہا۔

"کیوں حُر! کیا ارادہ ہے؟ کیا حملہ کرنا چاہتے ہو؟" حُر نے زبان سے کچھ جواب نہیں دیا، مگر جسم میں لرزہ سا پیدا ہو گیا۔

مہاجر نے کہا "حُر یہ تمہاری کیا حالت ہے؟ میں نے تمہاری کسی موقع پر یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ تو میں تمہارے سوا کسی کا نام نہ لیتا۔ مگر میں

اسوقت تمھاری عجیب حالت دیکھ رہا ہوں۔ آخر یہ کیا ہے؟"

حُر نے کہا "میرے سامنے اسوقت جنت اور دوزخ کا سوال درپیش ہے۔ میں تو جنت پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھوں گا چاہے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے، اور آگ میں جلا دیا جائے۔"

یہ کہتے ہی گھوڑے کو چابک لگایا اور لشکر امام حسینؑ میں پہونچ گئے۔

رحمدل امامؑ اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے تھے، حُر خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا۔

"میری جان آپ پر نثار اے فرزند رسولؐ! میں وہی مجرم ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا تھا، اور آپ کے ساتھ ساتھ رہا تھا یہانتک کہ آپ کو اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا، اُس خدا کی قسم جسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ مجھے یہ گمان ہرگز نہیں تھا کہ یہ لوگ آپ کے تمام شرائط کو جو آپ پیش کرینگے مسترد کردینگے، اور نوبت یہانتک پہونچے گی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا تھا کہ کیا حرج ہے، میں ایک حد تک ان لوگوں کیساتھ ملا رہوں اور یہ ظاہر نہ ہونے دوں کہ میں ان کی عدول حکمی پر آمادہ ہوں پھر یہ لوگ اُن شرائط کو تو قبول کرہی لیں گے جو امام حسینؑ انکے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں، اور خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ ان شرائط کو آپ کے منظور نہ کریں گے تو میں کبھی آپ کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار نہ کرتا۔

اچھا اب میں حاضر ہوا ہوں، انتہائی شرمسار، توبہ کرتا ہوا اپنے گناہ سے خدا کی بارگاہ میں، اور شرکت کرتا ہوا آپ کی مصیبت میں اپنی جان کے ساتھ یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر اپنی جان نثار کر دوں، کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔

حُر کے الفاظ میں صداقت تھی۔ دل کی دھڑکن کا اثر آواز کے ارتعاش سے ظاہر اور خون کی رفتار سست ہونے کا نشان چہرہ کی زردی سے نمایاں تھا۔

رحمدل امام کو اس کا یہ اضطراب کچھ دیر تک قائم رہنا گوارا نہ ہوا، اور بے ساختہ فرما دیا۔

نعم یتوب اللّٰہ علیک ولیغفر لک ما اسمک۔

"ہاں ہاں۔ خدا تمھاری توبہ کو قبول کریگا اور تمھیں بخشدے گا۔ یہ تو بتاؤ کہ تمھارا نام کیا ہے؟"

اُس نے کہا "حُر بن یزید"۔

حضرت نے فرمایا۔ انت الحر کما سمتک امک انت الحر ان شاء اللّٰہ فی الدنیا والآخرۃ انزل۔

"پھر کیا ہے، تم آزاد ہو جیسا تمھاری ماں نے تمھارا نام رکھا تھا، تم آزاد ہو انشاء اللّٰہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ گھوڑے سے تو اُترو۔"

حُر نے کہا۔ انا لک فارسا خیر منی راجلا اقاتلھم علی فرسی ساعۃ والی النزول ما یصیر اخر امری۔

"میں آپ کی نصرت میں گھوڑے پر سوار ہوں۔ بہتر ہے اس سے کہ پیادہ ہوں بس ایک تھوڑی دیر ان سے جنگ کرنا ہے، اور پھر تو (مر کر) گھوڑے سے نیچے آنا ہی ہے"۔

حضرت نے فرمایا۔ فاصنع یرحمک اللہ ما بدالک۔

"اچھا تمھاری خوشی۔ جو تمھیں منظور ہو ویسا ہی کرو"۔

حُر آئے صفوف اہل کوفہ کے مقابل میں۔ کہا۔ ایھا القوم الا تقبلون من حسین خصلۃ من ھذہ الخصال التی عرض علیکم فیعا فیکم اللہ من حربہ وقتالہ۔

"بھائیو! آخر حسینؑ سے ان باتوں میں سے جنکو وہ پیش کرتے ہیں کسی بات کو تم منظور کیوں نہیں کر لیتے کہ تمھیں اُن سے جنگ کرنے اور لڑنے سے نجات ملے"۔

لوگوں نے کہا کہ امیر عمر بن سعد موجود ہیں، جو کچھ تمھیں کہنا ہو، اُنھی سے کہنا چاہیے۔

حُر نے پھر عمر سعد سے یہی الفاظ کہے، اور ویسا ہی جواب ملا جو اسکے قبل مل چکا تھا کہ "اگر مجھ سے ممکن ہوتا تو میں ضرور ایسا کرتا"۔

پھر متوجہ ہوئے عام اہل کوفہ کی طرف اور حسب ذیل تقریر کی۔

یا اھل الکوفة لامکم الھبل اذ دعوتموہ حتیٰ اذا اتاکم
اسلمتموہ وزعمتم انّکم قاتلوا انفسکم دونہ ثم عدوتم علیہ
لتقتلوہ امسکتم بنفسہ واخذتم بکظمہ واحطتم بہ من کل
جانب فمنعتموہ التوجّہ فی بلاد اللہ العریضة حتیٰ یامن و
یامن اھل بیتہ واصبح فی ایدیکم کالاسیر لایملک لنفسہ نفعا ولا
یدفع ضرا وحلأتموہ ونساءہ واصبیتہ واصحابہ عن ماء
الفرات الجاری الذی یشربہ الیھودی والمجوسی والنصرانی
وتمرغ فیہ خنازیر السّواد وکلابہ وھا ھم قد صرعھم العطش
بئسما خلفتم محمدا فی ذریتہ لا اسقاکم اللہ یوم الظماء ان لم
تتوبوا وتنزعوا عمّا انتم علیہ من یومکم ھذا فی ساعتکم ھذہ۔

"اے کوفہ والو! تمھاری ماؤں کو تمھارے غم میں رونا نصیب۔ تم نے
حسینؑ کو بلایا، جب وہ آئے تو تم نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا۔ تم نے یہ ارادہ
ظاہر کیا کہ ہم آپ کے اوپر اپنی جانیں نثار کریں گے۔ پھر تم نے خود اُن کے
اوپر چڑھائی کر دی اور اُن کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ تم نے اُن کو روک لیا
ہے۔ اُن کے نفس کی آمد و شد کے راستہ کو بند کرنے کی کوشش کی ہے۔
اور اُن کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ تم نے اُن کو خدا کی چوڑی چکلی زمین

ہیں جہاں وہ اور اُن کے اہلبیت امن و امان کی زندگی بسر کر سکیں جانے سے روک دیا ہے اور وہ تمھارے درمیان مثل ایک قیدی کے ہو گئے ہیں اور بے بس ہیں۔ تم نے اُن کو اُن کے اہلحرم کو، اُن کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اور اُنکے اصحاب کو بہتے ہوئے فرات کے پانی سے بھی روک دیا ہے جسمیں یہودی، نصرانی اور مجوسی تک سیراب ہوتے اور عراق کے سوٗر کتے تک آ آ کر نہاتے اور لوٹتے پوٹتے ہیں"

اور دیکھو ان کی یہ حالت کہ پیاس نے اُن کی طاقتوں کو کمزور اور انھیں جانبلب کر دیا ہے۔

کیا بُرا سلوک کیا ہے تم نے محمدؐ کی اولاد کے ساتھ اُن کی وفات کے بعد خدا تم کو اُس شدت والی پیاس کے دن (روزِ قیامت) سیراب نہ کرے اگر تم ابھی، آج ہی اسی دم توبہ نہ کر لو اور اپنے طرزِ عمل سے پشیمان ہو کر باز نہ آ جاؤ۔

حُر بن یزید جو ابھی تھوڑی دیر پہلے اُس طرف ایک بڑی تعداد کے رسالہ کا افسر تھا اور ہزاروں آدمی اسکے چشم و ابرو کے تابع تھے، اب وہ اپنا مخالف اور دشمن کا یاور و مددگار تھا۔ اسلئے اُسکی کوئی بات سننے کے قابل اور کوئی مشورہ قبول کر لینے کے لائق نہ تھا۔

کمانیں کڑکیں اور تیر چلے اور کچھ لوگوں نے تیروں سے حُر کے اوپر حملہ کر دیا۔ حُر کو اُن کے اثر پذیر ہونے سے مایوسی ہو گئی۔ جنگ پورے طور سے ابھی چھڑی نہ تھی اسلئے حُر وہاں سے ہٹکر امامؑ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے

واقعات کا سلسلہ سامنے آچکا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکال لیا جا چکا ہوگا کہ حسینؑ اپنی جانب سے جنگ کی ابتدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ برابر ایسی صورتیں پیش کر رہے تھے کہ لڑائی نہ ہو اور خونریزی تک نوبت نہ پہونچے۔

صرف اسی وقت نہیں جب وہ ظاہری حیثیت سے بالکل مجبور ہوگئے تھے، اور چاروں طرف سے گھر گئے تھے بلکہ اسکے قبل بھی اُن کا طرز عمل یہی تھا اور وہ یکساں صورت پر برابر قائم رہا۔ فوج کشی وصف بندی اور صلح کی تمام امیدیں قطع ہونے کے بعد بھی آپکی طرف سے جنگ کی ابتدا نہیں ہوئی اور سخت سے سخت مواقع پر آپ اصحاب کو برابر روکتے رہے۔ یہی وہ قولی وعملی تعلیم تھی جو آپکو اپنے والد بزرگوار امیر المومنینؑ علی ابن ابیطالب کی سیرت زندگی سے پیش نظر تھی اور اسی پر آپ سختی کے ساتھ قائم رہے۔ لیکن اب وہ وقت آیا کہ دھوپ چڑھ چکی ہے۔ دن کا کچھ حصہ گذر گیا ہے۔ عمر سعد نے لشکر کو آگے بڑھایا۔ درید کو آواز دی کہ "علم اپنا میرے قریب لا" درید رایت جنگ لئے قریب آگیا۔ عمر سعد نے تیر اپنا چلّہ کمان میں جوڑا اور امامؑ کی طرف رہا کیا۔ پکار کر کہنے لگا "گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے ہی لگایا ہے۔" گواہ ہیں۔ بیشک گواہ ہیں۔ تاریخ کے ورق گواہ ہیں۔ اسلامی افراد کے دل گواہ ہیں۔ کربلا کا تختہ گواہ ہے۔ عاشور کا دن گواہ ہے۔ اسلام کا جگر گواہ ہے جو اس تیر سے گھائل ہوگیا، انسانیت کی پیشانی گواہ ہے جو داغدار ہوئی، مذہب کا گلا گواہ ہے جو اس سے چھد گیا۔ پیغمبر اسلام گواہ ہیں جنکے دلبر

اُس تیر کا اثر پڑا، فاطمہ زہرا کا کلیجہ گواہ ہے جو اُس سے خون ہو گیا۔ خدا خود گواہ ہے جو ہر موقع پر خود حاضر و ناظر ہے۔ یہ گواہیاں سب موجود ہیں مگر حاکم کوفہ کے دربار کیلئے نہیں، رے کی حکومت کیلئے نہیں، وہ تو بدبخت تیرے مقدر میں ہے ہی نہیں ہاں اُس سے تجھے محروم ہونا ہے اور ضرور محروم ہو گا۔ تجھے عراق کے گندم سے حسینؑ کے بعد (جیسا کہ حسینؑ نے کہہ دیا تھا) سیر ہو کر کھانا نہیں نصیب ہو گا۔ تجھے جیسا تو نے خود دہنی کے طور پر) آرزو کی تھی جو بھی کھانا سیر نہیں ہو گا۔ تجھے دنیا ہی میں بہت کم رہنا نصیب ہو گا۔ گواہیاں ہیں سب لیکن عذاب ابدی کیلئے، آخرت کی نہ ختم ہونیوالی سزا کیلئے، جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کیلئے، وہاں تجھے اگر رے کی حکومت ہی کا لطف ملے۔

زنجیروں کی کھڑکھڑاہٹ سے روپیہ اشرفیوں کی جھنکار کا احساس ہو، اور آگ کے سنہری رنگ سے طلائی سکوں کا رنگ یاد آئے، قطران کے لباس میں حریر و دیبا کے خلعت نظر آئیں تو خوش ہو لینا اور خوب خوش ہونا۔ سمجھ لینا کہ رے کی حکومت ہے، جو قتل حسینؑ کا جائزہ و انعام ہے

بس یہ تھا آغاز جنگ۔ اب حسینؑ اور استقلال۔ ثابت قدمی ہے اور پر جگری۔ حمایت باطل سے علیحدگی ہے اور بات پر مرمٹنا۔ اب یہ ثابت کرنا ہے کہ "ہم جان دیں گے مگر فاسق و فاجر کی بیعت نہ کریں گے۔ دنیا سے

اپنی ہستی کے فنا ہونے پر راضی ہو جائیں گے مگر اسلام کے فنا ہونے پر راضی نہ ہوں گے۔

بے شک اسی ثبات، اسی استقلال، اسی قوت دل، اسی طاقت نفس کے ساتھ حسینؑ نے اس معرکہ کو سر کیا۔ جو "مجاہدہ کربلا" کے سلسلہ میں "معرکہ کربلا" کے نام سے اسلام کی تاریخ کا سرنامہ اور اہم اقوام کیلئے بہترین تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔

علی نقی النقوی عفی عنہ

۱۶ ذی القعدہ سنہ ۱۳۵۳ھ

امامیہ مشن کی ممبری قبول فرما کر ناصرین اہلبیت علیہم السلام کی فہرست میں اپنا نام بھی درج فرمالیجئے

چندہ لائف ممبری	کم ازکم پچاس روپیہ یکمشت
چندہ ممبران خصوصی	پانچ روپیہ سالانہ
چندہ ممبران عمومی	ایک روپیہ سالانہ

(نوٹ)

لائف ممبران کی خدمت میں گذشتہ اور آئندہ کے تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہونگے۔

ممبران خصوصی کو ممبر بننے کے بعد تمام رسائل بلا طلب بلا قیمت ارسال ہونگے اور قبل کے رسائل اگر خریدنا چاہیں گے تو صرف نصف قیمت چارج کیجائے گی۔

ممبران عمومی کو ممبر بننے کے بعد شائع ہونے والے رسائل (بشرطیکہ وہ طلب فرمائیں) نصف قیمت پر دئے جائیں گے اور سابق کے رسائل اگر خریدنا چاہیں گے پوری قیمت چارج کیجائے گی۔

الداعی الی الخیر

سید ابن حسین آنریری سکریٹری امامیہ مشن

کیا ہم جنت البقیع کو بھول سکتے ہیں؟

کیا واقعۂ انہدام جنت البقیع فراموش کر دینے کے قابل ہے؟

کیا آپ کے نزدیک جادۂ طاہرہ پر جو مظالم ہوئے ہیں ان کے انسداد کی اب ضرورت باقی نہیں ہے؟

کیا اب آپکو ظالم اور وحشی نجدیوں کے مظالم کے خلاف کسی احتجاج کی ضرورت باقی نہیں ہے؟

کیا آپ کے نزدیک انہدام جنت البقیع کوئی ایسا معمولی واقعہ ہے کہ اسکے متعلق کسی توجہ کی ضرورت اب آپ محسوس نہیں کرتے؟

اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر فرمائیے کہ آئندہ آپ ان روح فرسا مظالم کے انسداد اور تعمیر جنت البقیع کے متعلق کیا ارادہ رکھتے ہیں۔

سوگوار جنت البقیع

سید حاجی حسن آنریری اسسٹنٹ سکریٹری انجمن تحفظ مآثر متبرکہ

حسین آباد۔ لکھنؤ

حجج و بینات

اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جو عالم اسلامی میں ظاہر ہوئی ہے سنہ ۱۳۵۰ھ
مشاہرہ شدہ آئمہ معصومین علیہم السلام سے جو حیرت انگیز مظاہر قدرت
یعنی معجزات ظاہر ہوئے ان کے مستند تفصیلی واقعات اسمیں شایع کئے
گئے ہیں جو ارباب ایمانی کیلئے بصیرت افروز اور تمام مذاہب و اقوام کے
کے مقابل صداقت و حقانیت کی دلیل ہیں۔ یہ کتاب حضرت سید العلماء دام ظلہ
کا نتیجہ قلم اور انہی کی ذاتی تحقیقات اور کاوش کا نتیجہ ہے۔ تقطیع ۲۰×۲۶
کاغذ سفید چکنا۔ قیمت صرف ایکروپیہ اور خرچہ ڈاک ۹ پیسہ

ملنے کا پتہ

سید ابن حسین سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

امامیہ مشن بلڈنگ فنڈ

اور اسکی ضرورت

بحمد اللہ آپکا دینی و تبلیغی مشن جس طرح ترقی کے منازل طے کر رہا ہے اسکی اطلاعات آپ کو اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوتی رہتی ہونگی - اس قلیل عرصہ میں اٹھائیس رسالے (اور ان میں سے اکثر کے دو دو اور تین تین اڈیشن بھی) شایع کئے جا چکے ہیں جنکی مجموعی تعداد اشاعت بیالیس ۴۲ ہزار تک پہونچ چکی ہے - نتیجتاً ذخیرہ رسائل کیساتھ ساتھ دیگر کاغذات دفتر کا انبار بھی برابر بڑھ رہا ہے اور اب یہ ضرورت بری طرح محسوس کیجا رہی ہے کہ آپکے مشن کے دفتر کو کسی وسیع عمارت میں جلد منتقل کیا جاوے - کرایہ کی عمارت پر قوم کا پیسہ برباد کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ کوشش یہ ہے کہ خواہ ایک جھونپڑا ہی کیوں نہو مگر مشن کا ذاتی ہونا چاہئے چنانچہ اسی مقصد کیلئے اس فنڈ کو جاری کیا گیا ہے اور سر دست ایک ہال کی تعمیر مقصود ہے جس پر صرف دو ہزار روپیہ کا صرف ہے - کیا اس حقیر رقم کا فراہم کر دینا دریادلان قوم کیلئے کوئی اہم بات ہے؟ مولا کا نام لیکر اُٹھئے اور تھوڑی تھوڑی رقم جمع کرکے اس اہم مقصد کا تکملہ کرا دیجئے - اس فنڈ میں قلیل سے قلیل رقم بھی شکریہ کیساتھ قبول کیجاوے گی اور اُسکا اخبارات میں اعلان ہوتا رہیگا

الداعی الی الخیر آنریری سکریٹری امامیہ مشن - لکھنؤ

امامیہ مشن کے تبلیغی رسالے

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	محصول	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	محصول
۱	قاتلان حسینؑ کا مذہب (تیسرا اڈیشن)	۴ر	۱/ر	۱۵	رجال بخاری حصہ اوّل	۶ر	۱/ر
۲	تحریف قرآن کی حقیقت (دوسرا اڈیشن)	۶ر	۱/ر	۱۶	مذہب باب بہا حصہ اوّل	۵ر	
۳	مولود کعبہ "	۱ر	۰/ر	۱۷	نوروز و غدیر	۱ر	
۴	وجود حجت "	۴ر	۱/ر	۱۸	مجاہدہ کربلا	۲ر	۰/ر
۵	اصول دین اور قرآن "	۴ر	½ر	۱۹	کربلا کا آتم بلیدان (ہندی)	۲ر	۰/ر
۶	اتحاد الفریقین حصہ اوّل	۴ر	۱/ر	۲۰	دی مارٹیڈم آف حسینؑ (انگریزی)	۲ر	۰/ر
۷	حسینؑ اور اسلام (اردو) تیسرا اڈیشن	۱/ر	۰/ر	۲۱	اسوہ حسینی	۶ر	۱/ر
۸	" (ہندی)	۱ر	۰/ر	۲۲	جنگ صفین	۳ر	۰/ر
۹	" (انگریزی)	۲ر	۰/ر	۲۳	تذکرہ حفاظ شیعہ حصہ اوّل	۶ر	۱/ر
۱۰	متعہ اور اسلام	۸ر	۱/ر	۲۴	" حصہ دوم	۵ر	۱/ر
۱۱	امامت ائمہ اثنا عشر اور قرآن	۰ر	۰/ر	۲۵	مقصود کعبہ	۱ر	۰/ر
۱۲	تجارت اور اسلام	۳ر	۰/ر	۲۶	مذہب باب بہا حصہ دوم	زیر	طبع
۱۳	اتحاد الفریقین حصہ دوم	۴ر	۱/ر	۲۷	مذہب اور سائینس	۱ر	۰/ر
۱۴	علیؑ اور کعبہ	۱ر	۰/ر	۲۸	معرکہ کربلا	۲ر	۰/ر

ملنے کا پتہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ